The Law of Karma

قانون کرم

(مسئلہ انسانی اعمال)

حصہ اول

از پنڈت لشن داس بی۔ اے۔ فیلو تھیوسافیکل سوسائٹی
انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول فیروزپور مصنف ہند و تہذیب حصہ اول

۱۹۱۰ء

آرین پرنٹنگ پبلشنگ و جنرل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ انار کلی لاہور نے شائع کیا

مطبوعہ آریہ سٹیم پریس لاہور باہتمام بالکرام پرنٹر

فہرست مضامین قانون کرم حصہ اوّل

دیباچہ

مادہ پرستی کا نتیجہ

(۱) اس کتاب کی غرض تصنیف اہل دنیا کے سامنے اس قانون کا انکشاف ہے۔ جو ان کی زندگی کے ہر ایک معاملہ پر حکومت کرتا ہے۔ جس کی لاعلمی اور لاپرواہی سے یہ دنیا عذاب کا گھر بن رہی ہے۔ اور انسانی زندگی دوزخ کا نمونہ نظر آ رہی ہے۔ ہم ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ جبکہ materialism مادہ پرستی کا رو دنیا میں ہر طرف چل رہا ہے۔ بڑے بڑے مہذب تعلیم یافتہ بھی مادی اشیاء کو اس واسطے اکٹھا نہیں کرتے ہیں کہ ان کو روحانی کام میں لگائیں۔ بلکہ مادی اشیاء کا حصول مدعائے زیست بن گیا ہے۔ اور انسانی زندگی ایسی پیچدار ہو رہی ہے۔ کہ مادی اشیاء کی ہوس ایک عالمگیر خواہش بنتی دکھلائی دیتی ہے۔

جس کے مقابلہ میں باقی تمام انسانی فرایض بالکل
ناچیز معلوم ہو رہے ہیں۔ روحانی اور اخلاقی
ضروریات سے انسان بالکل لا پرواہ ہو گئے ہیں۔
مادہ پرستی کی اس دھن نے تعلیم یافتہ لوگوں کو
ایسا اسیر کمند بنا لیا ہے۔ کہ وہ اس سوال کو
شاید سوچتے بھی نہیں کہ ان کی زندگی کن قوانین
کے ماتحت چل رہی ہے۔ ایسے وقت میں ان
لوگوں کا تو کیا ہی ذکر ہے۔ جن کو اپنے دماغ کو
چراغ تعلیم سے روشن کرنے کا موقعہ ہی نہیں
ملا۔ شری کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں *

यद्यदाचरति श्रेष्ठस्तत्तदेवेतरो जनः।
स यत्प्रमाणं कुरुते लोकस्तदनुवर्तते॥ بھگوت گیتا

جو کچھ مہذب لوگ کرتے ہیں۔ عوام الناس
اس کی تقلید کرتے ہیں۔ جس امر کو اعلےٰ قدر انسان
تسلیم کرتا ہے۔ دنیا دار اسی پر کاربند ہوتے ہیں
یہی دنیا کا قاعدہ ہے۔ جب تعلیم یافتہ لوگ
مادی اشیاء کو مدعاء زیست بنا کر دیگر تمام روحانی
فرایض کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ تو کم عقل اور
نادان یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اس جہان میں
روحانی فرایض کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے

دوسروں کو دُکھ دیکر اپنا مطلب نکالنا عیب میں داخل نہیں ہے۔ اپنی غرض کو پورا کرنے کے لئے جھوٹ بول دینا کوئی پاپ نہیں ہے۔ ایسے خیالات سے غالب آنے پر انسانوں کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس دنیا میں پاپ ہی پھلتا ہے اور عقلمند وہ ہی انسان کہلاتا ہے۔ جو دوسروں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اپنا مطلب سیدھا کر سکے۔ ناعاقبت اندیشی یہاں تک ترقی پکڑ جاتی ہے کہ انسان وسایل کی نیکی و بدی کا خیال ترک کر دیتا ہے۔ وہ اپنے انجامِ مطلب کو ہی دیکھتا ہے۔ اور اس کے پورا کرنے کے لئے ہر ایک قسم کے وسایل اختیار کرنا مباح سمجھتا ہے۔ اگرچہ ایسے زمانہ میں لوگ اپنے آپ کو ظاہرہ طور پر کسی خدا یا مالکِ جہان کے معتقد ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اس اعتقاد کا خاتمہ محض ان کی زبان پر ہی ہوتا ہے۔ ان کا دل حقیقت میں اس بات کو نہیں سمجھتا کہ خدا کیا ہے۔ اور ان کا اس سے کیا تعلق ہے۔ نہ ہی وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ کس طرح اپنے اعمال کے واسطے اس کی عدالت میں ذمہ دار اور جوابدہ ہیں۔ وہ اپنے دل میں اس فلسفہ کو محض ڈھکوسلا ہی سمجھتے ہیں۔ جس کو بعض دانا آدمیوں نے شاید جاہلوں کے ڈرانے کے

واسطے گھڑ رکھا ہے۔ ورنہ اس قدرت میں کوئی ایسا ملک اُن کو نظر نہیں آتا جو انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا اور جزا دیتا ہو۔ اس واسطے اس قسم کے لوگ مطلب پرستی کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں*

ناستک اعتقاد کی وجہ تسمیہ اور اس کا انجام

(۲) ان تمام حالات کا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ دنیا کے ہر ایک مہذب ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے۔ جو کہ صاف طور پر ایسے فرضی خدا کی ہستی سے انکار کرتا ہے۔ اور اس کی ضرورت کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں مگر سائینس کی موجودہ تحقیقات کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ وہ انسانیت کے قائل ہیں۔ اور بے باکانہ الفاظ میں یہ منادی کرتے ہیں "جب ایشور یا خدا پر ایمان قائم کرنے کے یہ خوفناک نتائج ہیں تو ہم ایسے خدا کو ہی خیر باد کہتے ہیں۔ جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رحمان خدا کے معتقد دوسرے جانداروں کو آزار دینے میں ذرا اُف نہیں کرتے اور نیاءکاری یا منصف خدا کے عابد دوسروں کا حق چھیننے سے ذرا بھی دریغ نہیں کرتے تو ہم ایسے خدا کی عبادت سے کوئی فائدہ متصور نہیں کرتے ہیں۔ جو اپنے

معتقدوں کو ایسے سنگین گناہوں سے باز نہیں رکھ سکتا"۔ ہم اس تعلیم یافتہ گروہ کی رحم دلی یا رحم مزاجی کی داد دیتے ہیں۔ مگر ان سے پرارتھنا کرتے ہیں۔ کہ یہ سب قصور رحمان خدا کا نہیں ہے۔ بلکہ اس غلط تعلیم کا ہے جو کہ معتقدوں کے دل میں جانشین ہے۔ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اور اسی لاعلمی کے سبب سے دنیا جہنّم کا روپ بن رہی ہے۔ ہم ان مذہبی ہادیوں سے خواہ وہ کسی ملت سے واسطہ رکھتے ہوں۔ جو مغرب کے اہل سائینس کو بے جا کلمات سے یاد کرتے ہیں۔ یہ عرض کر دینا اپنا ضروری فرض خیال کرتے ہیں۔ کہ ایسا کرنا مذہب کی شان سے بالکل بعید ہے۔ اس سے ہم در اصل اپنی کم زوری کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہکسلے یا ڈاروں بد اخلاقی کی تعلیم نہیں دیتے ہیں۔ نہ ہی موجودہ اہل سائینس ایشور کی ہستی کے سوال کو حل کر سکتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اپنے سامنے دنیا کا جہنمی اخلاقی نقشہ دیکھتے ہیں جو ان کے رحم کو اپیل کرتا ہے۔ ان کے جذبات پر چوٹ لگاتا ہے۔ وہ مختلف مذاہب کے ہادیوں یا پرچارکوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے یا ایک دوسرے کی ہجو کرتے ہوئے تو عموماً پاتے ہیں۔ لیکن اس دھرم کا اُپدیش شاذ و نادر ہی سنتے ہیں۔ جس سے

ایک انسان دوسرے مخلوق کو اپنا بھائی خیال کرے
اور اس سے اسی طرح پریم کرے۔ جس طرح وہ
اپنے آپ سے کرتا ہے۔ وہ مذہب کی حقیقی زندگی
کو کہیں بھی جلوہ گر نہیں دیکھتے ہیں۔ ان تمام باتوں
کو دیکھ کر وہ ہرگز خاموش نہیں رہ سکتے ہیں۔ وہ
اپنا انسانی فرض سمجھتے ہیں کہ ایسے حالات کے خلاف
اپنی آواز بلند کریں۔ حالات پیدائش یا اعلیٰ دماغی تعلیم
کی وجہ سے بعض ناستک مثلاً بھی بھلے آدمی ہوتے ہیں۔ خدا
کے منکر بھی رحم دل ہوتے ہیں۔ چارلس بریڈ لا
Charles Bradlaugh.
جیسے رحم دل اور فیاض انسان اسی فرقہ کی زینت ہیں۔
ہکسلے جیسے عالی دماغ اسی گروہ کے لیڈر یا سردار ہیں
مگر خطرناک عنصر اس تعلیم میں یہ ہے کہ ناستک
اپنا کوئی goal. یا منزل مقصود نہیں رکھتا ہے۔
جہاں اس نے پہنچنا ہے۔ نہ وہ یہ بتلا سکتا ہے کہ
ہماری زندگی کی اس جہان میں کیا غرض ہے۔ یا
انسانی زیست کا کیا معراج ہے۔ نہ وہ یہ سمجھا
سکتا ہے کہ ہر ایک انسان کو اس کے نیک و بد
اعمال کی سزا کس طرح ملتی ہے اور کون دیتا ہے۔
اگر کوئی چشمہ نیکی یا منبع فیض نہیں ہے۔ تو نیکی کا
وجود کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ اگر کوئی قانون قدرت

ہے تو اس قانون کا بنانے والا یا محافظ عمل کون
ہے۔ اور یہ تمام قدرت کس طاقت کے سہارے سے
متحرک ہے۔ انسانی روح میں لافانی ہونے کا
خاصہ کیوں ہے یا انسان ہمیشہ زندگی اور آنند
کا آرزو مند کیوں ہے۔ قدرت ہمیشہ بدلتی رہتی
ہے۔ اس میں ہر ایک ذرّہ تبدیلی کے رو میں
چل رہا ہے۔ جو چیز آپ تبدیلی کے قانون کے
ماتحت چل رہی ہے۔ اس کا منتظم ایسا ہونا لازمی
ہے۔ جو خود ہر ایک قسم کی تبدیلی سے مبرّا ہو۔ ...
اس لئے ذات پاک کو ہی ہم نرو کار۔ نرنجن پرماتما
کہتے ہیں۔ وہ ہی تمام جگت کا (आधार) ہے
جیسے سورج ہمارے نظام شمسی کا آدھار ہے۔ جیسے
بیرونی سورج کی روشنی سے تمام جہان طاقتِ زیست
حاصل کرتا ہے۔ ویسے ہی اندرونی سورج یا پرماتما کے
پرکاش سے دل اور دماغ میں نورِ زندگی حاصل
ہوتا ہے

یہ ممکن نہیں ہے کہ تعلیم اخلاق بلا خوف کسی خاص اعلیٰ
اہل دماغ کو ہی ہمیشہ گناہ اور پاپ سے روک سکے۔ خواہ اسکا
دل تعلیم کی بدولت نیک جذبات سے متاثر ہو چکا
ہو۔ مگر وہ بھی اپنے اہم معاملات زندگی میں غیبی
طاقتوں سے روشنی اور امداد کا محتاج رہتا ہے۔ خواہ

وہ اس کا اقبال کرے یا نہ کرے۔ ایسی صورت میں عوام الناس کے واسطے ایسے اعتقاد سے کسی روشنی کا ملنا محال ہے۔ اسی وجہ سے یہ اعتقاد آج تک دنیا میں عالم گیر نہیں بن سکا۔ اور نہ ہی آیندہ بنے گا۔ انسان اپنے تمام حالات میں ایک ایسی طاقت سے امداد اور روشنی کا محتاج ہے۔ جوکہ اس کو ہر ایک موقعہ پر شانتی دے سکے اور اسکی زندگی کے تاریک سے تاریک معاملہ میں راہ نمائی کر سکے۔ سخت سے سخت عذاب میں اس کے واسطے باعث تسکین ہو سکے۔ یہ طاقت بلا پرماتما کے اور کوئی نہیں ہوسکتی ہے۔ جس قدر معتقد کا دل صاف ہوتا جائے گا۔ اسی قدر جلوہ نورانی اس کے دل پہ چمکتا جائے گا۔ اور اسی قدر زیادہ امداد وہ غیبی طاقتوں سے حاصل کر سکے گا۔ یہ مذہب کا فتوے ہے۔ اور مہاتماؤں کی آزمایش ہے۔ جس کا دل چاہے۔ میدان میں داخل ہو کر تجربہ کر لے *

موجودہ لٹریچر کے نقائص

(۳) اس زمانہ میں بہت سا لٹریچر (Literature.) اس ملک میں ایسا پھیل رہا ہے جو اپنے اصلی معنوں میں بالکل بیہودہ (Trash) ہے۔ جس کی طیاری کے واسطے

نہ تو مصنّف کو کسی اعلےٰ علمی لیاقت یا اخلاقی عظمت کی ضرورت ہے۔ نہ اس سے دنیا کی کوئی بہتری ہو سکتی ہے۔ یہ افسوس ہے کہ نہ تو مصنف اپنے نازک فرض کی ذمہ داری کا خیال کرتے ہیں۔ نہ ہی پبلک ابھی اس قدر شائستہ ہے کہ اس قسم کے لٹریچر کو اس کی مستحق جگہ دے اور اس کو انبارِ غلاظت میں پھینکے بلکہ اس کے بالکل برعکس لوگ ایسے خیالات کو دل لگا کر پڑھتے ہیں۔ کتب فروش ایسی کتابوں کو ہزاروں کی تعداد میں فروخت کرتے ہیں۔ ذرا وچار کریں۔ جس قوم کا دل و دماغ اس قسم کے لٹریچر سے طیار ہوگا۔ وہ قوم ترقی اور بہبودی کے میدان میں کیا کام کر سکیگی؟

ہماری قوم گری ہوئی ہے۔ ہمارا ملک ہر ایک پہلو زندگی میں پست حالت میں ہے۔ کیا بلحاظِ تمدّن و تہذیب کیا بلحاظ اخلاقی صفات کے ہم علم اور ترقی کی دوڑ میں دنیا کی دیگر مہذب اقوام سے بہت پیچھے ہیں۔ جہاں دنیا کے دیگر مہذب ممالک میں اعلےٰ سے اعلےٰ کتابیں علم و سائینس کی ہر سال نکلتی رہتی ہیں۔ ہمارے مصنف آپس میں خفیف سے خفیف باتوں پر جھگڑتے رہتے ہیں۔ خیال رہے۔ یہ کسی لائق مصنف کے بالکل شایاں نہیں ہے کہ وہ گری ہوئی قوم کے ادنےٰ جذبات کو بھڑکا کر اس سے

اپنا ذاتی فائدہ حاصل کرے۔ ہم ان لوگوں سے
جنہوں نے مذہبی یا قومی جھگڑوں کو اپنا وسیلہ روزگار
یا شعار سمجھ رکھا ہے۔ یہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ اپنے
ان تنازعات میں وہ بزرگ ہستیوں۔ حضرت مسیحؑ۔ مہاتما
بدھ دیو یا سری کرشن جی مہاراج کو کیوں برا
بھلا کہتے ہیں۔ ان بزرگوں کی تو یہ ہرگز غرض تعلیم
نہیں تھی کہ اس جہان میں ہمیشہ کے واسطے لڑائی
اور فساد کا جھنڈا کھڑا کر جاویں۔ اور لوگوں کو ایک
دوسرے کی تخریب کا موقعہ دے جاویں۔ نہ ہی
وہ اپنی تعلیم میں صداقت مالک پر مہر ہی لگاتے
ہیں۔ گویا قدرت کے تمام علوم کا خاتمہ ان کے کلام
پر ہی ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ سب بزرگ اپنی اپنی روشنی
کے مطابق صلح۔ امن۔ نیکی۔ پرہیزگاری اور سہت روی
کے پیغام بر ہیں۔ ہر ایک اپنی روشنی کے مطابق صداقت
کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمارا فرض بطور انسان یہ ہے۔ کہ
بجائے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کے یا ہجو.....
کرنے کے ہر ایک کی تعلیم سے جو نیک فائدہ مل
سکے۔ حاصل کریں۔ آخر یہ سب ایک ہی دربار کے
ایلچی ہیں۔ خواہ ان کا پیغام بشارت بھارت۔ فارس یا
روم میں سنایا گیا ہے۔ ہم کو لازم ہے۔ کہ سب کی واجب
عزت کریں۔ اور جو سبق وہ ہم کو دیتے ہیں اس کو

غور سے سُنیں۔ یہ خیال ہے صداقت کا نیک نیتی سے امتحان کرنا بجویں وخل نہیں ہے دوسروں کے بزرگوں کی توہین نہ کریں۔ نہ ہی انکی بشری کم زوریوں اور عیوب پر مذاق اُڑائیں۔ دنیا کے بڑے سے بڑے فیض رساں اصحاب بھی بشریت کی آلایش سے بالکل مبرا نہیں ہو سکے ہیں۔ مگر بایں ہمہ وہ اپنے اندر ان تمام ضروری صفات کو پیدا کر سکے تھے۔ جن کے باعث وہ اہل دنیا کے رہنما بن سکے اگر کوئی ناواقف شخص آریہ رشیوں یا مہاتماؤں کو بُرا کہے۔ اور اُن کی توہین کرے تو خاک کے مقابلہ میں خاک نہ اوڑائیں۔ ایسی صورت میں خود حفاظتی اس امر کی مقتضی ہے کہ ہم صاف دلی سے بلا تعصب اس کے مغالطہ یا غلط فہمی کو دور کر دیں۔ ایسا کرنے سے ہم صداقت کے پرچار میں زیادہ کامیاب ہونگے۔ اور اہل دانش کو اپنا گرویدہ بنا سکیں گے۔

مہاتماؤں۔ پیغمبروں۔ نبیوں کا زمانہ گیا۔ اب تحریر اور تصنیف کا وقت ہے۔ یہ مصنف ہی ہیں۔ جو اس زمانہ میں اقوام کے دل و دماغ کو بناتے ہیں۔ انکے خیالات سے قومیں بنتی یا بگڑتی ہیں۔ وہ اہل دنیا کی قسمت کے معمار ہیں۔ ملکی امن اور سوشیل انتظام قائم رکھنا ان کا سب سے اعلےٰ فرض ہے۔ انسانوں کو عمدہ اور صحت آور دماغی خوراک دینا ان کا دھرم ہے

جیسی گندی خوراک سے معدہ خراب ہو جاتا ہے - اور انسان بیمار بن کر اپنی طاقت کو کھو بیٹھتا ہے - ویسے ہی ناپاک خیالات دل و دماغ کا خون کر دیتے ہیں اور اقوام کے اندر ایسی امراض کو پیدا کر دیتے ہیں جن کا علاج انسانی طاقت سے باہر ہو جاتا ہے - کمال شکر کا مقام ہے کہ ہم ایک ایسی گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہیں - جو تہذیب اور ترقی کی معاون ہے - اور ان تمام تحریکوں کی خیر خواہ ہے جو نیک خیال سے قومی بہتری کی جانب راغب ہوں اور امن اور بہبود ملک کی طرفدار ہوں - ہمیں برٹش گورنمنٹ کی اس صلح کل نیک نیتی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے - اور ملک کے امن کو قائم رکھنے میں دل و جان سے بادشاہِ وقت کا مددگار بننا چاہیئے - یہ امن کی بدولت ہی ہے کہ ہر ایک قسم کے علوم و فنون سائینس وغیرہ سے ہمارے اہل ملک مستفید ہو سکتے ہیں ۔

روح کی پاکیزگی ہی تمام قومی تکالیف کا علاج ہے

(۴) گری ہوئی قوم کا محض ایک علاج ہے وہ روح کی پاکیزگی یا اخلاق کی درستی ہے - اس نسخہ کو عمل میں لانے کے بغیر باقی تمام علاج

بے سود رہتے ہیں۔ جب قوم کی روح درست نہیں
اس کے واسطے تمدنی ترقی یا صنعتی اقبال مندی کی
امیدیں قائم کرنا سراسر بے فائدہ ہے۔ وہ اس دنیا
کے کسی کام میں بھی خواہ وہ سوشیل ہو۔ خواہ
پولٹیکل ہو۔ خواہ مذہبی ہو۔ کامیاب نہیں ہوگی۔ یہ
یاد رکھیں ہر ایک تحریک میں کامیابی اسی نسبت
سے ملتی ہے۔ جس قدر اس میں صداقت کا عنصر
ہوتا ہے۔ یہ مغربی اقوام میں باہمی اتحاد کی طاقت
یا آرگینزیشن کی قوت ہے۔ جو ان کے اقبال کا
موجب بنی ہے۔ بھارت کی قدیمی اقبال مندی کا راز
صداقت کی محبت تھا۔ پس اپنے ہر ایک فعل اور عمل
میں صداقت کی پرستش کرو۔ ستیہ کی پوجا اختیار کرو۔
جہاں اس کا سروپ دکھلائی دے۔ سر تسلیم خم کر دو
ہم بھارت میں پیدا ہوئے ہیں۔ بھارت کا قدیمی اخلاق
قدیمی علم و ہنر جس پایۂ زینت کو پہنچ چکا ہے اسکی
دوسری مثال ابھی تک تاریخ دنیا میں پیدا نہیں
ہوئی۔ اگرچہ موجودہ گری ہوئی نسل محض بزرگوں کی
عظمت کے راگ الاپنے سے خود بزرگی کو حاصل نہیں
کر سکتی۔ اور دنیا کی دیگر اقوام کی نظروں میں ممتاز
نہیں بن سکتی "بڑا وہ ہے جو بڑائی رکھتا ہے" مگر
تاہم رشیوں کی عظمت ہمارے مردہ خون کو زندہ

کر دیتی ہے ۔ وہ دل واقعی مُردہ ہے ۔ جس میں اسکے
بزرگوں کے مبارک نام سے نئی لہر نہ پیدا ہو سکے
اگرچہ ہم بیمار ہیں مگر تاہم ہمارے پاس ایک ایسی اکسیر
ہے جو نہ صرف ہماری بلکہ دنیا کی امراض کا علاج کر
دیگا ۔ یہ اکسیر رشیوں کی برہم ودیا ہے ۔ اب ایسا وقت
آگیا ہے کہ اس ودیا کو مخفی نہ رکھا جاوے ۔ ذرا
دنیا کا اخلاقی نقشہ دیکھیں ۔ اور ملاحظہ کریں کہ ہمارے
بھائی خود غرضی اور جہالت کی امراض سے کس قدر
عذاب اپنے واسطے اور اپنے اہل قوم کے واسطے
پیدا کر رہے ہیں ۔ ادھر مہذب دنیا مادی ترقی کی
دُھن پر گرویدہ انسان کے تمام تعلقاتِ روحانی کو
خیرباد کہہ رہی ہے ۔ دنیا سے انصاف اور دھرم کا
نام مٹتا نظر آتا ہے ۔ ایسے وقت پہلے بھی آچکے ہیں
یہ ایسے ہی زمانہ میں تھا کہ مہاتما بدھ دیو نے
مسئلۂ کرم کا ویاکھیان شروع کیا تھا ۔ اور اسی نسخہ
سے بھارت اور دنیا کی آتشِ ہوس کو شانت کیا
تھا ۔ موجودہ زمانہ میں وہی نسخہ موجودہ حالات کے
مطابق پیش کرنے کی ضرورت ہے ۔ اگرچہ پیش کرنے
والا شخص بدھ دیو جیسا مہاتما نہ ہو ۔ مگر صداقت
اپنی طاقت رکھتی ہے ۔ اور یہ اپنا اثر ضرور
کرے گی ۔

شاستری معراج کو قائم رکھنا ہی ہماری سلامتی کا موجب ہے

(۲) خیال رہے۔ کہ دنیا کی تمام دیگر گری ہوئی قومیں آج تک صفحہ ہستی سے گم ہو چکی ہیں۔ روما۔ یونان۔ مصر۔ بابل اپنی اپنی تہذیب کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ آج نہ وہ قومیں ہیں۔ نہ انکا تمدن ہے محض نام باقی رہ گیا ہے۔ قدرت کی منتظم طاقتوں یا دیوتاؤں نے ان کی ہستی اس واسطے گم کر دی۔ کہ ان کے اجزاء میں اس قدر غلاظت آ گئی تھی۔ کہ ان کا قیام نا ممکن بن گیا تھا۔ جیسے قدرت نا قابل جسم سے روح کو علیحدہ کر دیتی ہے۔ ویسے ہی گری ہوئی بد اخلاق اقوام کی ہستی کو مٹا دیتی ہے۔ ان کے اندر اوتم آتمائیں آئیندہ پیدا ہونی بند ہو جاتی ہیں۔ اور باقی نسل اپنی کم زور اعتقادی کے باعث دیگر اقوام کے راہ و رسم کو اختیار کر کے ان میں مخلوط ہو جاتی ہے۔ اپنی شخصیت یا قومیت کے نام و نشان کو مٹا دیتی ہے۔ اپنے اعتقاد اور مذہب کو خیر باد کہہ دیتی ہے۔ اور دوسری زبردست اقوام میں مل جل جاتی ہے۔ تاریخ اس کی کئی مثالیں پیش کرتی ہے۔ چنانچہ اہل مصر کی عین یہی حالت ہوئی تھی۔ محقق حیران ہیں کہ آریہ جاتی آج تک ان اسباب

کے مقابلہ میں کس طرح قائم رہی - اسکا مختصر جواب یہ ہے - کہ ہمارے بزرگوں کا پیدا کردہ ایک علمی خزانہ ہے - جس کے ہم (Custodians.) یا محافظ ہیں - وہ ایشوری بھنڈار ہے - جب تک دنیا میں مذہب یا علم رہے گا - دھرم اور ایشور کا نام رہے گا - اس ایشوری بھنڈار کا بھی نام زندہ رہیگا اور وہ قوم جو اس بھنڈار کی حفاظت کرے گی - دنیا کے تختہ سے غائب نہیں ہو سکتی - پس ہماری ہستی کا یہی سبب ہے کہ ہم ان مہاتماؤں کے خیالات کے محافظ اور پرچارک ہیں جن کے پاس دنیا کی ترشنا - ہوس یا دکھ درد کو دور کرنے کا اصلی نسخہ ہے - یہ بھنڈار رشیوں کی برہم ودیا ہے - اس برہم ودیا کی قدر نہ کرنا اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے - ہماری ہستی اس کے ساتھ وابستہ ہے +

موجودہ تعلیم یافتہ گروہ سے ایک خاص التماس ہے کہ دنیاوی عظمت یا بزرگی - قدیمی روش - قومی خصوصیت - ملکی رواج - قومی رسومات (देशाचार कुलाचार) کے ترک کرنے یا اُنکے مذمت کرنے میں شامل نہیں ہے - اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ ملکی رسومات میں اصلاح کی بہت کچھ ضرورت ہے - اور ان کو زمانہ کے مطابقت میں لانے کے لئے بہت محنت

درکار ہے۔ مگر اصلاح کا معراج شاستری ہونا لازمی ہے۔ تاکہ رشیوں کی تعلیم کو موجودہ حالات کے مطابق عمل میں لایا جا سکے۔ ہم دنیا میں ایک ایسی تہذیب کے محافظ ہیں جو اپنی وضع۔ قطع میں دنیا کے ہر ایک ملک سے نرالی ہے۔ اور رشیوں کی موجودہ اولاد کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ اس تہذیب کے جتنے خصوص ہیں۔ ان سب کو قائم رکھے۔ اس تہذیب کے قیام پر ہی ہماری ہستی کا دارومدار ہے ؂

قانون کرم

(۶) قانون کرم اسی ہم دنیا کا ایک اعلےٰ مسئلہ ہے۔ یہ رشیوں کی ہر ایک پستک میں موجود ہے۔ ہر ایک ہندو اس کا معتقد ہے مگر افسوس یہ ہے کہ زمانہ کی تبدیلی سے۔ شاستروں کی لاعلمی سے اس کی حقیقت سے لوگ بالکل بے خبر ہوگئے ہیں۔ جبکہ موجودہ تعلیم یافتہ گروہ اس کی طرف سے لاپروا ہے۔ جو لٹریچر موجودہ زمانہ میں اس دیش میں پھیل رہا ہے وہ اس پایہ تک ابھی نہیں پہنچا کہ ایسے مسائل کو عوام الناس کے واسطے عام فہم بنا سکے۔ ہمارے ملک میں ایسی کتابوں کی از حد ضرورت ہے۔ جو کہ قومی اخلاق کی درستی۔ صداقت کی قدر شناسی کی طرف عوام الناس کی توجہ منعطف کر سکیں۔ اسی ضرورت کو سمجھ کر

مصنف نے اس میدان میں قدم رکھا تھا ÷

پہلی کتاب ہندو تہذیب حصّہ اول پچھلے سال ناظرین کی سیوا میں پیش کی گئی تھی۔ جس محبّت اور نیک دلی سے ملک بھر کے عالموں اور فاضلوں نے اس کتاب کو قبول کیا۔ جس الفت اور سرگرمی سے بھارت کے مشہور اخبارات مثلاً بنگالی نے بنگال سے۔ تھوسافی ان انڈیا (Theosophy in India) نے بنارس سے۔ پنجابی۔ آریہ گزٹ۔ جھنگ سیال۔ رسالہ رام کرشن۔ اخبار عام نے۔ پنجاب سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا۔ اور اپنے کالموں میں اس کو شرف ریویو بخشا اُس کے واسطے مصنّف تہِ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ ماسوائے ان کے آنریبل جی۔ سی۔ گاڈلے صاحب بہادر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے اپنی خاص عنایت اور قدر دانی سے اس کتاب کو بذریعہ سرکلر تمام پنجاب بھر کے سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں میں لائبریری میں رکھنے یا انعامات میں دینے کے واسطے سفارش کی۔ اس مہربانی اور قدر شناسی کے واسطے مصنف ڈائرکٹر صاحب کا دل سے شکر گذار ہے ÷

یہ دوسری کتاب قانون کرم (انسانی اعمال) اب ہدیۂ ناظرین ہے۔ مصنّف کو انشا پردازی کا دعوے نہیں ہے۔ نہ ہی وہ اعلےٰ لیاقت علمی کا فخر رکھتا ہے۔

البتہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ وہ صادق نیک نیتی دلی خلوص اور روحانی محبت سے کیا گیا ہے۔ اس کی غرض نہ کسی کی دل آزاری ہے نہ کسی کی خاص خوشامد مقصود ہے۔ محض آریہ رشیوں کی تعلیم کا پرچار ہے۔ جس کو وہ اپنی زندگی کا اعلےٰ فرض سمجھتا ہے اور جس کو وہ ان کے نقش قدم پر چلتا ہوا بلا تعصب و مذہبی عناد تمام دنیا کے روبرو پرکاش کرنا چاہتا ہے۔ اس مراد میں وہ کہانتک کامیاب ہوگا اس پرم پوجیہ پرماتما کے اختیار میں ہے۔ جو صداقت کے ہمیشہ اصلی محافظ ہیں۔ اور اس کے اصلی قدردان ہیں وہ ہی ستیہ کے رکھشک پرم دیو ایشور میرے ہم وطنوں کے دل میں ان خیالات کی عزت پیدا کریں۔ اور وہ ان سے اصلی لابھ اٹھائیں قدرت کی تمام منتظم طاقتیں اس نیک کام میں میری مددگار ہیں یہ میری دلی پرارتھنا ہے۔ سب کا بھلا ہو ٭

اوم شانتی۔ شانتی۔ شانتی۔

ویدک دھرم کا سیوک

احقر مصنف

۳۰۔ تاریخ ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء

ڈیڈیکیشن (سمرپن)

مصنف اس کتاب (قانون کرم) کو جو مشرقی اور مغربی علوم میں اس کی ناچیز محنت اور تحقیقات کا نتیجہ ہے اپنے کرم فرما محسن۔ قدردان۔ معزز دوست۔ شریمان۔ لالہ صاحب لالہ دیالی رام جی۔ بی۔ اے۔ ڈاکٹر صاحب بہادر محکمہ تعلیم ریاست پٹیالہ کی سیوا میں ان عنایات کی شکر گذاری میں نذر کرتا ہے جو اس تحریر اور تصنیف کے کام میں کئی سالوں سے وہ مصنف پر فرماتے رہے ہیں۔ اور جن کی حوصلہ افزائی اور قدردانی سے وہ ان مفید عام اور پاکیزہ خیالات کو پبلک کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ وہ امید رکھتا ہے۔ کہ صاحب موصوف اس حقیر ہدیہ کو شرف قبولیت بخشیں گے ٭

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خاکسار مصنّف

التماس

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہندو تہذیب حصہ اوّل کے شروع میں مصنف نے ایک کتاب بنام ہمالیہ سے ایک آواز تعلیم یافتہ پبلک کی سیوا میں پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جس میں مشرقی اور مغربی علوم کے رو سے حکمائے زمانہ سلف اور موجودہ سائینس دان عالموں کی تحقیقات کا ذیل کے مضامین پر مقابلہ کرنے کا اقرار تھا ٭

قانون کرم ۔ قانون موت ۔ سائینس اور مذاہب دنیا ۔ قانون زندگی

زمانہ کے حالات کو غور سے دیکھنے اور موجودہ ملکی لٹریچر کو مطالعہ کرنے سے یہ قرار پایا کہ پیشتر ازیں کہ اس قسم کی کتاب موجودہ حالات میں کامیاب ہو سکے۔ ایسے مضامین سے عوام الناس کے دل میں اُنس اور اشتیاق پیدا کرنا چاہیئے۔ بلا اس قسم کی لٹریچر کے ساتھ مذاق پیدا کرنے کے ایسے دقیق اور اہم مضامین کی بحث سے نہ تو پبلک کو منفعت ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی مصنف کو اپنی محنت کی داد مل سکتی ہے۔ یہ اسی غرض سے ہے۔ کہ قانون کرم قلم بند کیا گیا ہے۔ حصہ اوّل ہدیہ ناظرین ہے اس کتاب کے پروف دیکھنے میں جو امداد اس کے معزز دوستوں شری یان لالہ منوہر لعل جی مختیار عدالت فیروزپور اور لالہ سدانند صاحب

بی۔ اے ہیکنڈ ماسٹر ہر بھگوان میموریل سکول فیروز پور نے دی ہے۔ مصنف اسکے واسطے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہے +

حصہ دوئم بھی طیار ہے۔ یہ حصہ بلحاظ تمثیلوں کی کثرت اور تاریخی واقعات کی زیادتی کے بہتر نسخہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہو سکے گا۔ کہ قانون کرم کا عمل اس جہان میں کس طرح ہوتا رہتا ہے۔ مصنف اسکو پبلک کی سیوا میں پیش کرنے سے پہلے تعلیم یافتہ سوسائٹی کی قدر شناسی اور رائے زنی کا انتظار کرنا چاہتا ہے۔ جو اصحاب خریداری منظور کریں۔ وہ اپنی درخواستیں بنام مینیجر آرین پرنٹنگ پبلشنگ اینڈ جنرل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ انارکلی لاہور ارسال کردیں نام درج رجسٹر رہے گا اور کتاب طبع ہونے پر ان کی سیوا میں ارسال ہوگی +

اس امر کا عوام الناس کو بتلا دینا ضروری ہے کہ یہ فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ اس قسم کا لٹریچر ملکی افلاس کے لحاظ سے نہایت ارزاں قیمت پر (جو بلحاظ محنت۔ تحقیقات اور لاگت مقررہ کی جاسکتی ہے) پبلک کی نذر کیا جاوے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قانون کرم کی قیمت میں اس قدر رعایت دی گئی ہے۔ دنیا کے کسی مہذب ملک میں بھی ایسا پاک لٹریچر اس قدر ارزاں نہیں ملتا ہے۔ امید واثق ہے کہ تمام تعلیم یافتہ انسان خواہ وہ کسی مذہب یا ملت سے واسطہ رکھتے ہوں اس رعایت اور موقعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اس نیک کام میں ہماری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اب کی دفعہ چھپائی اور لکھائی میں خاص احتیاط رکھی گئی ہے +

ہندو تہذیب حصّہ دوئم

دنیا میں ایسی کوئی زندہ قوم نہیں ہے جسکو اپنے بزرگوں کی تہذیب سے
اُنس نہ ہو جوان کے حالات سُننے یا قلم بند رکھنے کی مشتاق نہ ہو۔ سارے
بھارت ورش میں جہانتک ہم کو معلوم ہے آجتک ایک کتاب بھی ہندو تہذیب
کی تحقیقات میں ایسی شائع نہیں ہوئی ہے۔ جو مشرقی حالات کو مشرقی لباس
میں ظاہر کرتی ہو۔ جس میں رشیوں کی عظمت کا صحیح بیان بمقابلہ موجودہ زمانہ
کی ترقی کے درج ہو۔ جو مبالغہ آمیزی سے مبرّا ہو اور نہ ہی صداقت کو موجودہ
مادی تہذیب کی خوشامد اور تحسین پر قربان کرتی ہو جسکی تحقیقات آزادانہ ہو
اور جس میں محض مغربی عالموں کی رائیں قدیمی آرین تہذیب پر جمع کر کے پیش نہ کی گئی ہوں۔
مصنف اپنی علمی لیاقت یا تحقیقات کا فخر نہیں کرتا ہے۔ مگر حالات سے مجبور
صداقت کا اظہار کر دینا ضروری خیال کرتا ہے۔ اس نے اپنی تحقیقات میں جن وسائل
سے کام لیا ہے وہ ان اصحاب سے غیر مشابہ ہیں جنہوں نے اسوقت تک اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے
ہندو تہذیب حصّہ دوئم اس کی سالہا سال کی محنت کا نتیجہ ہے۔ کتاب اپنی وضع اور
قطع میں بالکل نرالی ہوگی۔ چونکہ اس تحقیقات میں مصنف کو اپنی عمر کا بہت سا
حصّہ خرچ کرنا پڑا ہے اور زرکثیر کے خرچ سے یہ تمام مصالح بہم پہنچایا گیا ہے۔
اس واسطے علم دوست شائقین کی سیوا میں التماس ہے کہ اس کتاب کی سرپرستی
فرمادیں اور آریہ رشیوں کی یادگار میں دنیا کی سب سے پرانی اور اعلےٰ تہذیب کا نشان قائم رکھیں
جو اصحاب اس کام میں دلچسپی لینے یا خریدار بننے کو طیار ہوں وہ اپنا نام اور پتہ

منیجر آرین پرنٹنگ پبلشنگ اینڈ جنرل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ انارکلی لاہور کے پاس ارسال کریں

باب اوّل

فصل اوّل

انسان اور ایشور

सतन्मयो ह्यमृत ईश संस्थो ज्ञः सर्वगो -
भुवनस्यास्य गोप्ता। यईशेऽस्य जगतो -
नित्यमेव नान्यो हेतु विद्यतेईशनाय ॥
यो ब्रह्माणं विदधाति पूर्वं यो वै वेदांश्च प्रहि-
णोति तस्मै - तंहदेवं आत्म बुद्धि प्रकाशं
मुमुक्षुर्वै शरणमहं प्रपद्ये ॥

سوتیا شور اُپنشده

وہ قدرت کا روح ہے۔ لافانی ہے۔ کل کائنات کا حاکم ہے۔
ہمہ دان ہے۔ تمام کائنات میں ہر جگہ موجود (حاضر و ناظر ہے) اس تمام
قدرت کا محافظ ہے۔ تمام سرشٹی یا جگت کا مدامی حاکم ہے۔ دوسری کوئی
ذات اس جہان پر ہمیشہ حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے +

اس نے ہی سرشٹی کے آغاز میں برہما یعنے (عقل کل) کو پیدا کیا۔ اسکے سپرد
اس نے ویدوں کی تعلیم کی۔ میں نجات کا خواہشمند اس مجسم نور کی شرن (پناہ)
لیتا ہوں۔ جس کے نور سے ہی انسانی عقل آتما کی جانب متوجہ ہوتی ہے +

(۱) ہم کیوں اس زمین پر پیدا ہوئے ہیں۔ ہم کو یہاں کس نے پیدا کیا ہے۔ ہماری پیدائش کی ضرورت کیوں اور کس طرح لاحق ہوئی ہے۔ ہماری زندگی کے حادثات۔ واقعات اتفاقیہ ہیں۔ یا کہ ان کا کوئی سبب ہے۔ ہمارے تمام تعلقات پیدائش و زندگی کن طاقتوں نے مرتب کئے ہیں۔ ہماری ترقّی و تنزّل۔ زندگی و موت۔ دُکھ و سُکھ کا انتظام کون کر رہا ہے۔ اور کس طریق سے یہ تمام بندوبست جاری ہے۔ اس زندگی سے پہلے ہم کہاں تھے۔ اور اس کے خاتمہ پر ہم کہاں جاویں گے۔ یہ ایسے سوالات ہیں۔ جن پر انسانی دنیا لاکھوں بلکہ کروڑوں برسوں سے وچار کر رہی ہے۔ اور جب تک حضرت انسان کی ہستی اس زمین پر قائم رہے گی۔ ان سوالات پر خوض و فکر بھی جاری رہے گا۔ ہر ایک ملک کے شاعروں۔ فلسفہ دان۔ عالموں مذہبی ہادیوں نے ان کے جوابات سوچنے اور سمجھانے میں اپنی عمر کا خاص اور اعلےٰ حِصّہ صرف کیا ہے۔ بڑے بڑے فاضلوں۔ باریک بین اصحاب نے ان مسائل کی تحقیقات میں اپنا بیش قیمت وقت خرچ کیا ہے۔ گو یہ تمام تحقیقات بے فائدہ یا ضائع نہیں گئی ہے۔ مگر بایں ہمہ ان مسایل کا تسلّی بخش حل انسانی دنیا کے سامنے کسی ملک میں بھی نہایت ہی شاذ و نادر پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ بھارت کے قدیمی رشی اور مہاتما جن کو ہم اس قدرت کے حقیقی رازدان کہہ سکتے ہیں تعجب خیز خوش اسلوبی سے ان تمام مسائل کو

حل کرتے ہیں۔ مگر یہ افسوس ہے کہ رشیوں کا یہ علم ایک دقیق زبان اور مخفی پیرایہ میں ملبوس ہونے کی وجہ سے عام فہم نہیں بنایا جا سکتا۔ یہی وجہ موجودہ آریہ سنتان کی ان مسائل سے ناواقفیت اور بد حالی کی ہے۔ ادھر اہل دنیا کو اپنے کاروبار سے اس قدر فرصت نہیں ہے کہ ایسے مسائل کے سوچ وچار میں جن سے نہ روپیہ ملے۔ نہ عہدہ حاصل ہو۔ نہ دنیاوی شہرت ملے۔ مغز گردانی کریں۔

موجودہ تحقیقات کا رُخ

موجودہ زمانہ کے عالم سائنس سیارہ منگل کے باشندگان سے خط و کتابت کا چاہے فکر کرتے ہوں چاند اور برہسپتی کی آبادی کا حال دریافت کرتے ہیں۔ خواہ لاکھوں اقسام کے آلات نت نئے گھڑتے ہوں۔ موجودہ زمانہ کی مہذب اقوام ہوائی جہازوں کی ساخت یا بحری بیڑوں کی طیاری میں خواہ کروڑوں روپے صرف کر دیں۔ مگر انسانی زیست کے متعلق نہایت ضروری اور اہم سوالات کی تحقیقات کے واسطے تمام مہذب ممالک میں ایک بھی دارالعلوم آج تک جاری نہیں کیا گیا ہے۔ انگلش رودبار سے اڑ کر گذر جانے کے واسطے انعامات مقرر کرنے کی تجاویز ہوتی رہتی ہیں۔ علم سائنس کے محقق سائبیریا اور یورال کے پہاڑوں اور جنگلوں کو روند مارتے ہیں۔ بحر منجمد شمالی کے خوفناک برفانی قطعات میں بڑے بڑے نامور سیاح نئے تازہ ساز و سامان کو لے کر ہر سال جاتے ہیں۔ افریقہ کے تنگ اور نامعلوم علاقہ جات

کی دریافت کے واسطے نئی نئی کمپنیاں قائم ہوتی رہتی ہیں۔ مگر ہائے افسوس۔ ان سب سے زیادہ لازمی اور مفید تحقیقات کی جانب سے آج تک تمام مہذب ممالک میں قطعی اغماض کیا گیا ہے۔ تمام مغربی تحقیقات محض سامانات دنیا کے تجسس میں مصروف رہی ہے۔ مغربی تعلیم قدرت کی بعض ان طاقتوں سے کام لینا سکھلاتی ہے۔ جن سے انسان کو اس جہان میں تجارتی آسودگی حاصل ہو۔ اسی واسطے موجودہ تہذیب کا اصلی ایمان تجارت ہے۔ ہم ہر طرف تجارتی تعلقات سے محصور ہو رہے ہیں۔ دنیا میں ہر ایک چیز تجارتی پیمانہ سے ماپی جا رہی ہے۔ دولت کا دیوتا (Mammon) اس جہان کا فی زمانہ خدا بن رہا ہے۔ جس کی تعظیم و تکریم میں تمام مہذب دنیا سر نگون کھڑی ہے ٭

(۲) تہذیب کے اصلی معنے حضرت انسان کو اس کے تعلقات زندگی میں رحم دل۔ نیک۔ فیاض بنانا ہے تاکہ وہ اپنی دنیوی اور دینی ذمہ واریوں کو مناسب اور بجا طور سے ادا کر سکے۔ اپنے فرایض زندگی کو پورے طور پر نبھا سکے۔

قانون زندگی

انسان کے واسطے سب سے ضروری علم درحقیقت اپنے آپ کو صحیح طور پر پہچاننا ہے۔ ڈلپھائی کی کلام ربانی نے اسی اعلان کو تہذیب کا اصول اور معراج قرار دیا۔ تمام مذاہب کے ہادیوں نے اسی صداقت کا اعلان کیا۔ جو انسان دنیا کے تمام فنون جانتا ہے۔ مگر اپنی

حقیقت سے بالکل بے خبر ہے۔ وہ فی الواقع ابھی تک حیوانی زندگی بسر کر رہا ہے۔ دنیا کے تمام علوم کی علت غائی۔ انسان کو اس کی اپنی حقیقت سے با خبر بنانا ہے۔ ہماری پیدائش یا زیست کا اصلی مقصد اسی اصلیت سے واقفیت پیدا کرنا ہے دنیا میں لاکھوں انسان اپنے دل و ضمیر کو یوں لئے پھرتے ہیں جیسے کہ کوئی شخص گھڑی کو ساتھ رکھتا ہے۔ جس کے پُرزوں کے سلیقہ سے وہ بالکل بے خبر ہے۔ یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ انسان بیرونی سامانوں کی طرف تو اس قدر راغب ہو کہ اپنی تمام زیست ان کی تلاش میں صرف کر دے۔ مگر جس روح یا آتما کی طاقت سے وہ ان تمام بیرونی اشیاء کا علم حاصل کرتا ہے۔ جس کی برکت سے وہ اپنی زیست کو قایم رکھ سکتا ہے۔ اس کی حقیقت کی تلاش کے واسطے ایک لمحہ بھی نہ نکال سکے ✤

دنیا میں جتنا گناہ۔ عذاب۔ مصیبت۔ بدمعاشی۔ شرارت۔ فساد۔ خون ریزی موجود ہے۔ یہ درحقیقت قانون زندگی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر سانپ کے مُنہ میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا۔ کوئی شخص عقلِ سلیم سے زہر کا پیالہ نہیں پیتا۔ کوئی ذی ہوش اپنے واسطے عذاب کو دعوت دینا پسند نہیں کرتا۔ یہ محض لاعلمی یا مدہوشی ہے۔ جو کہ انسانوں کو گناہ گاری یا عذاب کے دام میں پھنساتی ہے۔ جو حضرت انسان سے ایسے افعال سرزد کرواتی ہے۔ جن کا

نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اور ذکر کرتے ہوئے کلیجہ کانپتا ہے +

یاد رکھو کہ دنیا میں جتنے قتل و خون ہوتے ہیں۔ جس قدر بے رحمی یا بد سلوکی اس جہان میں موجود ہے۔ جس قدر عذاب - آفت - مصیبت کا بھنڈار یہ زمین بن رہی ہے۔ جتنا گناہ اور سیاہ کاری اس دنیا میں ہوتی ہے۔ وہ سب حضرت انسان کی لاعلمی یا مدہوشی کی بدولت ہیں۔ اور ان کے واسطے ہر ایک شخص خواندہ یا ناخواندہ - جاہل یا عالم ذمہ وار ہے۔ عالموں کی ذمہ واری جاہلوں سے اسی قدر نسبتاً زیادہ ہے۔ جس قدر وہ علم میں ان سے سبقت لے گئے ہوئے ہیں۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ گناہ کا محض عامل ہی ذمہ وار ہے۔ کوئی مہاتما پارسائی کا جامہ پہن کر جہان سے بھاگ نہیں سکتا ہے۔ اور نہ ہی جنگل میں ڈیرہ ڈال کر شہروں کے گناہ سے سبک دوش ہو سکتا ہے۔ انسانیت اس امر کی سخت مقتضی ہے۔ کہ ہم دوسروں کو بھی گناہ سے بچنے کا راستہ بتلا دیں۔ ان کے آتما کے اندر اعلے جذبات کو متحرک کریں ان کی عقل سلیم کو اپیل کریں۔ یہی وجہ تھی کہ بھارت کے قدیمی رشی - سادھو - مہاتما - جنگل میں ڈیرہ لگاتے ہوئے بھی دنیا داروں کو روحانی فیض سے بہرہ در ہونے کا پورا موقعہ دیتے تھے۔ جگہ جگہ گھوم کر اہل دنیا کی آتشِ ہوس کو شانت کرتے تھے۔ ہم قدرت میں ایک دوسرے

سے پیوستہ ہیں۔ جہاں پلیگ یا وبا کا مواد پھیلتا ہے۔ وہاں ہر ایک شخص پر کم و بیش اپنا اثر کرتا ہے۔ جو لوگ دوسروں کو گناہ کرتے دیکھ کر خاموش رہتے ہیں۔ وہ یا تو بزدل ہیں یا مکّار ہیں۔ اس واسطے قدرت کے دربار میں سزاوار ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اس گناہ کو روکیں اور اس بیمار کی حالت پر رحم کریں جو ایک سفلی جذبہ کے ماتحت اپنے خوبصورت قوائے زندگی کو ایک گندے فعل سے ضائع کر رہا ہے ÷

(۳) قدرت ہم کو ہمیشہ جگاتی رہتی ہے۔ یہ اپنے عمل میں کہیں بھی غلطی نہیں کرتی۔ خواہ کسی حیثیت کا کوئی انسان ہو۔ کسی طاقت و ثروت سے وہ آراستہ ہو۔ بادشاہ ہو یا گدا ہو۔ عالم ہو یا بے علم ہو۔ دولت مند ہو یا غریب ہو۔ مہاتما ہو یا بد معاش ہو۔ مگر کوئی بھی قدرت کے تاثرات سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم کو جبراً قہراً رموزِ زندگی سے واقف بناتی رہتی ہے۔ جس قدر ہم غفلت اور مدہوشی کی خواب میں سوتے رہتے ہیں۔ اسی قدر اس کا تازیانہ سخت پڑتا ہے۔ جس قدر ہم عیش و آرام کے تلاش میں زندگی کے مزے لوٹنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے پاک قوانین پر لات مارنے کا فخر کرتے ہیں۔ اسی قدر شدّت سے یہ ہمارے واسطے عذاب کا طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔ یہ ایسے حالات خود بخود پیدا کرتی رہتی ہے جو ہمارے عیش کو عذاب۔ اور آرام کو مصیبت سے بدل دیتے

ہیں۔ محمد شاہ کے رنگین جلسوں کو برباد کرنے کے واسطے کوئی نادر شاہ آن موجود ہوتا ہے۔ عاشق اور معشوق کے وصال سے آسمان کو ہمیشہ رشک آتا ہے۔ اسی واسطے اس دنیا

قدرت کی طاقت اور حکومت

میں خالص راحت کا نام ناپیدا ہے۔ یہ اصول قدرت کے خلاف ہے۔ کہ وہ اس جہان کے باشندوں کو بالکل آرام سے بیٹھنے دے۔ جب تک وہ اپنی زندگی کو اس کے مالک کے سپرد نہ کر دیں۔ اور قانون زیست کے مطابق اپنے ہر ایک عمل کو نہ لے آویں +

قدرت ہم کو بیدار کرنا اپنا فرض خیال کرتی ہے۔ خواہ یہ بیداری کسی نزدیکی رشتہ دار کی موت سے ہو۔ خواہ کسی ناگہانی حادثہ یا آفت سے ہو۔ خواہ بیماری یا صدمہ سے ہو۔ مگر یہ ایسے ہی اوقات ہیں۔ جبکہ انسان اپنی بے کسی کو پہنچانتا ہے۔ اپنی گمراہی سے باخبر بنتا ہے۔ اپنی سیاہ کاری سے نادم ہوتا ہے۔ اور آیندہ توبہ کرتا ہے۔ گو دنیا میں ایسے بھی آدمی ہیں جو ان تمام صدمات کے باوجود اپنی گمراہی میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ قدرت ان کو بھی آرام نہیں لینے دیگی۔ جب تک ان کے دل میں اس بات کا یقین نہیں پیدا کر دیگی کہ ان کی تمام تکالیف ان کے اپنے اعمال کا ہی نتیجہ ہیں +

اس جہان میں کون شخص ہے جو یہ فخر کر سکتا ہے۔

کہ وہ قدرت کے احکام کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ کون ہے۔ جو یہ دم مار سکتا ہے کہ اس زبردست طاقت کے حکم کی تعمیل میں وہ ایک لمحہ کا بھی وقفہ حاصل کر سکتا ہے اس کے احکام کے سامنے تمام انسانوں کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ انسان کی تو مجال ہی کیا ہے۔ تمام کون و مکان اس کے ضابطہ کا پابند ہے۔ ؎

صنعت میرے صانع کی کیا لا تناہی ہے
چشم مہ خود دیکھو کیا تیز نگاہی ہے
افلاک معلق ہیں کیا پشت پناہی ہے
ہر ایک کرہ بن پیچھے آکاش میں راہی ہے
کیا شانِ الٰہی ہے کیا شانِ الٰہی ہے

کونین کی کل کیونکر باقاعدہ ہے چلتی
جو کام ہے جس شے کا کیوں اس سے نہیں ٹلتی
کیوں مشعلِ مہر و مہ ہے شام و سحر جلتی
عاجز ہے خرد اس جا کچھ دال نہیں گلتی
کیا شانِ الٰہی ہے کیا شانِ الٰہی ہے

(از کلام مہر)

ہم سب قدرت کے ماتحت ہیں۔ خواہ کسی حالت یا حیثیت میں ہوں۔ یہ ہماری مسلمہ حاکم ہے۔ اور حاکم بھی سب سے زبردست ہے۔ جتنی جلدی ہم اس حکومت کا اقبال کریں۔ اور اس کے حاکم کے قوانین کو سمجھ سکیں اتنا ہی ہمارا بھلا ہے۔

قانون کی حکومت

قدرت کے عذاب و مصیبت کے نزول سے پیشتر۔ اس کے ہاتھ سے تازیانہ کھانے سے پیشتر یہ ہماری عقلمندی اور بہبودی میں داخل ہے۔ کہ ہم اس کے قوانین سے واقف

بن جاویں۔ تاکہ ان آفات سے محفوظ رہ سکیں۔ اور اپنی زندگی کو ایسے سانچہ میں ڈھال سکیں جو سانچہ ہم کو وقت پر دھوکہ نہ دے سکے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھو جو لوگ وقت پر نہیں سمجھتے ہیں وہ آخر میں ہمیشہ خراب ہوتے ہیں۔ اور خراب بھی ایسے ہوتے ہیں کہ چپ بھلی۔ قدرت کی انتقامی طاقتیں جس کے درپے ہو جاویں۔ اس کا نام و نشان صفحہ ہستی سے معدوم کر کے چھوڑتی ہیں۔ نہ یہاں دم مارنے کی گنجایش ہے نہ فریاد و گلہ کی مجال ہے +

(۴) بس ہم قانون سے جیتے ہیں۔ قانون سے ہی مرتے ہیں۔ ہمارے ارد گرد تمام حالات ہیں۔ تمام تعلقات میں قانون ہی حکم ران ہے۔ ہر ایک معاملہ جو ہمارے تعلق میں آتا ہے۔ ہر ایک حادثہ جو ہم پر واقع ہوتا ہے۔ اپنی خاص وجہ رکھتا ہے۔ اس قدرت میں ہر ایک چیز۔ ہر ایک عمل باسبب ہے۔ دونو جہان میں ایک ہی قانون حکم ران ہے۔ اس جہان کا مالک اور عالم بقا کا مالک ایک ہی ہے۔ روحانی اور مادی طبقات ہستی میں ایک ہی حاکم کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ قانون بھی دونوں طبقات کا ایک ہی ہے۔ جو لوگ اپنے زعم میں یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ روحانی قوانین کو اس جہان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یا وہ خدا جو تمام کائنات کا حاکم ہے۔ ہماری دنیا پر اپنے قوانین کو عمل میں نہیں لاتا ہے۔ اپنی حماقت کا

اظہار کرتے ہیں۔ یہ اسی قسم کے باطل خیالات کا نتیجہ ہے
کہ دنیا دار دن رات اس قسم کے جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں۔
جس سے ایشور کے پاک قوانین کو ملیا میٹ کر سکیں۔ یہ
افسوس ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے ہیں کہ اس قدرت میں ناپاک
تدابیر کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اپنے عامل کے واسطے موجب
عذاب بنتی ہیں۔ ہر ایک مکاری یا فریب کی قلعی کھل جاتی ہے۔
قدرت ایسے راستی پسند جوان مرد میدان میں لا کھڑا کرتی ہے۔ جو
کسی جوکھوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اصلی حالت کا انکشاف
کر دیتے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قدرت میں دو
خدا ہیں۔ یا اس دنیا کا خدا انصاف سے کام نہیں لیتا ہے۔
اور اس زمین پر گناہ گاری کو برداشت کرتا ہے۔ وہ آنکھیں
کھول کر قدرت کی حقیقت کا مطالعہ نہیں کرتے ہیں۔ قدرت
ہمیشہ اور ہر جگہ بدی کی دشمن ہے۔ اس کی تمام قوتیں

قدرت کا انتظام اخلاقی دنیا میں

صداقت کی حفاظت میں
آراستہ ہیں۔ صداقت ہی
اس کا عنصر زیست ہے۔ قدرت کسی قسم کی غلط کاری یا
سیاہ کاری کو پناہ نہیں دیتی۔

وہ طاقت جو سورج اور چاند کی حرکات کو معین کرتی
ہے۔ اس دنیا کے معاملات کے فیصلہ کرنے میں بھی اسی
ضابطہ کو مد نظر رکھتی ہے۔ یہ لازمی نہیں ہے۔ کہ ہر ایک
گناہگار مفلس یا نادار ہو۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے۔ کہ ہر ایک

مفلس نیک مرد ہو۔ یہ تعجّب ہے کہ دنیا دار ہر ایک گناہ کی سزا افلاس قرار دیتے ہیں۔ اور اس جہان میں گناہگاروں کے پاس اولاد۔ دولت۔ طاقت۔ یا ثروت دیکھ کر متحیّر ہوتے ہیں۔ اس قسم کی غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگ مالک کے انصاف سے منکر بنتے ہیں۔ یا اس کی ہستی سے ایمان کھو بیٹھتے ہیں وہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اس قدرت میں اندھیر نگری ہے نہ کوئی حساب لیتا ہے۔ اور نہ کوئی حساب دیتا ہے۔ اس قسم کے آدمی چاہتے ہیں کہ مالک قدرت اپنے فیصلجات میں انسانی پیمانہ سے کام لے۔ اور ہر ایک گناہ کا معاوضہ۔ ہر ایک بدکاری کی سزا۔ دولت یا اولاد کی نیستی یا کمی سے دے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے ہیں کہ ایشور اپنے اٹل انصاف میں ہماری کوتاہ اندیشی۔ تنگ فہم عقل کی امداد کا محتاج نہیں ہے اور وہ طاقت جو اس تمام قدرت کے ذرہ ذرہ کو مقررہ انتظام سے چلا رہی ہے۔ بخوبی جانتی ہے کہ کس فعل کی سزا کیا ہے اور وہ کس طرح ملنی چاہیئے ؞

(۲) قدرت ہمارے تمام لیکھے ساتھ ساتھ ہی صاف کرتی جاتی ہے۔ اس کا محاسب کبھی غلطی نہیں کرتا۔ اس کا تمام حساب و کتاب باضابطہ ہے۔ ہمارے تمام خیالات کا نقش ہمارے ہی لوح دل پر لکھا جاتا ہے۔ موت اور زندگی میں یہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ہمارے ہی ناپاک خیالات ہمارے واسطے موجبِ عذاب بنتے ہیں۔ اور سب سے اول ہمارے ہی

خرمنِ امن کو برباد کرتے ہیں۔ اسی آتش کدہ سے آتش غضب پیدا ہوکر ہماری تباہی اور رسوائی کا حکم صادر کرتی ہے۔ ہر ایک ناپاک دل اپنے آپ کو آپ تباہ کر لیتا ہے۔ ہر ایک گناہ کی سزا اس کے ساتھ ہی ملحق ہے۔ ہر ایک بدی کی سزا اُس کے خیال کے ساتھ ہی ملنی شروع ہو جاتی ہے۔ قدرت میں دیری کا نہ تو امکان ہے۔ اور نہ ہی گنجایش ہے۔ ہر ایک گناہ سے پہلے اور پیچھے گناہگار کی حالت کو ملاحظہ کریں۔ دونوں صورتوں کو معاینہ کریں۔ نہ وہ معصومیّت رہی ہے۔ نہ وہ پاکیزگی ہے۔ نہ وہ طاقت دل ہے۔ نہ وہ راحتِ ضمیر ہے۔ نہ وہ روشنی ہے ⁂

گناہ آلودہ دل کی بدحالی

ہر ایک قوّتِ دل و دماغ کم زور ہوگئی ہے جسم جو دل کا ایک آلہ ہے۔ تھر تھر کانپتا ہے۔ کئی دنوں تک ایسی کم زوری کا اثر محسوس ہوتا رہتا ہے بار بار گناہ میں آلودہ ہونے سے یہ تمام قوتیں یکے بعد دیگرے رخصت ہوتی جاتی ہیں۔ اور گناہ گار کو وحشیانہ یا حیوانی حالت میں چھوڑ جاتی ہیں۔ اب اگر اس کے پاس دولت ہے تو وہ اس کا بُرا استعمال کرتا ہے۔ اگر طاقت ہے تو دوسروں کے واسطے موجب ظلم و ستم بنتا ہے۔ رفتہ رفتہ ان برکات سے بھی قدرت اس کو محروم کر دیتی ہے۔ وہ اپنی حماقت کا انجام دیکھتا ہے۔ اور جس حالت بے کسی میں وہ اپنے آپ کو پاتا ہے۔ وہ خود ہی جانتا اور محسوس کرتا ہے ⁂

پس وہ لوگ سراسر غافل ہیں جو دل کے علاج سے لاپروا
انسانی امراض کا علاج حکیموں ڈاکٹروں کے نسخہ جات میں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ پاکیزگی ہی
در اصل سب اقسام کی صحت کا مقصد ہے۔ اور ناپاکیزگی سب
امراض کا منبع ہے۔ ہر ایک مواد جو ہماری بیماری کا فتوے
لاتا ہے۔ اوّل ہی اوّل اسی چشمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ صد
افسوس۔ لوگ حکمت کی سینکڑوں کتابیں مطالعہ کرتے ہیں
اشتہاری حکیموں کے لاکھوں نسخے اخبارات میں شایع ہوتے
ہیں۔ مگر کوئی خیر خواہِ دنیا اس چشمۂ مرض کا ذکر تک بھی نہیں
کرتا۔ جس کی غلاظت سے تمام امراض کا صدور ہے۔ جس کی
ناپاکیزگی سے ہی ہمارے تمام آرام کی تباہی ہے۔ لوگ یہ
نہیں جانتے۔ کہ کون سی قوتیں ہماری زندگی کو باسلیقہ
رکھتی ہیں۔ اور کن قواے کی صحت میں خلل آنے سے ہم
در اصل بیمار بنتے ہیں۔ جاہل اپنی آنکھوں پر مدہوشی کی پٹی
باندھ کر قدرت کی ان پاک قوانین پر تمسخر کرتے ہیں۔ اور
جب اپنی غلط کاری کے بدلے گرفتار بلا ہوتے ہیں۔ تو
چلاتے ہیں اور مالک قدرت کو بے رحم ٹھیراتے ہیں۔
"بریں عقل و ہمت بباید گریست"۔ دل کا علاج کرو۔ اس کے
تمام قواے کو صحت میں رکھو۔ اس کی تمام قوتوں کو باسلیقہ
رکھو۔ اس کے نور کو تمام جسم پر پھیلنے کا موقع دو۔ اور
قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھو۔ مولوی رومی واقعی سچ فرماتا ہے ؎

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است	دل بدست آور کہ حج اکبر است
دل گذر گاہِ جلیلِ اکبر است	کعبہ بنیادِ خلیلِ آزر است

قانون عدل

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قدرت اپنے خطاکار کو دونوں جہان میں نہیں چھوڑتی۔ اسکے عذاب سے بچاؤ کا راستہ نہ ہی کہیں ہے اور نہ ہی کہیں ہوگا۔ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں یہ اپنا حساب لیتی رہتی ہے۔ اور جب تک ہم کوڑی کوڑی تک ادا نہیں کر دیتے ہیں یہ ہماری خلاصی کسی قضیہ سے بھی نہیں کرتی جو کچھ ہم قدرت کو دیتے ہیں۔ وہی ہم سود در سود کے حساب سے اس سے وصول کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص کے حساب کا کھاتہ علیحدہ کھلا موجود ہے۔ جو اشخاص اس قانون سے ناواقف دوسروں کے واسطے موجب عذاب بنتے ہیں۔ کاش کہ وہ اپنی ذمہ واری کو سمجھتے اور اپنے فعل سے وقت پر باز آتے۔ یہ افسوس ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے ہیں۔ کہ جس قدر ضرر یا تکلیف وہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ اس سے کئی گنا زیادہ قدرت کا محاسب اُن کے نام پر درج کردیتا ہے۔ اور آخر ان کو اپنے بد اعمال کا خمیازہ سود در سود سے بھگتنا پڑتا ہے ٭

(۶) جو طاقت اس قدرت پر حکم ران ہے۔ وہ ایک زندہ جاوید طاقت ہے۔ ہر ایک ذرہ اس قدرت کا اسی قوت سے زندہ اور قایم ہے۔ در حقیقت یہ ہی قوت اس

کائنات کی اصلی زندگی ہے۔ تمام اشیاء کی ہستی اور قیام اسی کی بدولت ہے۔ یہ قوّتِ جاوید ہمیشہ اپنی طاقت میں یکساں رہتی ہے۔ اسی واسطے اہل سائنس۔
(Conservation of energy.)
کا قانون بتلاتے ہیں۔ جس سے قدرت میں تمام قوتوں کی مجموعی طاقت یکساں رہتی ہے۔ ہم کسی ترکیب سے۔ کسی ہنر سے اس طاقت کا ایک بال بیکا نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ اپنے جلال میں ہمیشہ یکسان قائم ہے۔ اسی واسطے قائم بالذّات کہلاتی ہے۔ یہ ستیہ سروپ ہے۔ اسی لئے قدرت میں تمام اشیاء ایک معین صداقت انتظام کی پابند ہیں ہر ایک چیز ایک معین قاعدہ کے ماتحت ہے۔ ہر ایک سیارہ ایک معیّن رفتار سے حرکت کرتا ہے۔ قدرت بے امنی یا بے انتظامی کی سخت دشمن ہے۔ جیسے پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ ویسے ہر ایک چیز اپنا خاص سلیقہ رکھتی ہے۔ قدرت جھوٹ۔ فریب۔ مکاری۔ شرارت۔ فساد۔ خون ریزی کو کہیں بھی پناہ نہیں دیتی ہے۔ یہ ہر ایک مکاری کا پردہ فاش کرکے چھوڑتی ہے۔ صداقت اس کی زندگی ہے۔ اور یہی اس کا اصولِ ہستی ہے۔ شریان مہرشی بالمیک جی کیسی عمدہ عبارت میں ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

صداقت کی حکومت

सत्येनार्कः प्रतपति सत्येनाप्यायते शशी
सत्येनामृतमुद्भूतं सत्ये लोकः प्रतिष्ठितः

صداقت سے سورج چمکتا ہے صداقت سے چاند روشنی دیتا ہے
صداقت سے امرت پیدا ہؤا ہے صداقت سے کل جہان قائم ہے

وہ لوگ واقعی بڑے ہی بدنصیب ہیں جو اپنے آتما کی اعلےٰ صفات کو عارضی دنیاوی سامانوں کی خاطر ضائع کرتے ہیں۔ اور اپنے ایمان کو فرضی دنیاوی آرام کی خاطر فروخت کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ چند روزہ حشمت کی خاطر۔ (جس کا آرام پھر بھی مشکوک ہے۔) آتما کی اِن خوبیوں کا ستیاناس کرتے ہیں جن کی پرورش سے زمین کا باشندہ آسمان کا دیوتا بنتا۔ وہ دنیاوی فوائد کے باطل زعم میں اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں۔ یہ افسوس ہے کہ جس دولت یا طاقت کے فخر پر وہ مالکِ قدرت کے پاک قوانین کو توڑتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ان کے پاس قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن وہ بد عادات جن میں انہوں نے ایسا فعل کرنے سے اپنے آپ کو مقید کر لیا ہے۔ ان کے روح کے گرد حلقہ بند بن چکی ہیں اور جب تک وہ اپنے عامل کو اس کے فعل کی قرار واقعی سزا نہ دلا لینگی اِس قید یا حلقہ بندی سے رہائی کا موقع نہیں دینگی ✤

جو شخص یہ فخر کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی آنکھوں پر
دھول ڈال کر اپنا مطلب سیدھا کر سکتا ہے۔ یا دوسروں
کا نقصان کرکے اپنے واسطے توشۂ عافیت جمع کر سکتا ہے۔
کاشکہ وہ قدرت کے اصولِ ہستی سے واقف ہوتا اور سمجھتا کہ یہ
بالکل نادانی ہے۔ ایسا نہ کبھی ہوُا ہے اور نہ ہی ہوگا۔ قدرت
کا انتظام جن طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جلدی ہی ایسے
حالات پیدا کر دینگی جن میں اس کی چالاکی عہدہ بر آ نہیں
ہو سکے گی۔ اور وہ گڑھا جو اس نے دوسروں کو گرانے کے
واسطے کھودا ہے اس میں اُس کو خود بھی گرنا پڑیگا۔ یہ ہی
قانونِ زندگی ہے۔ ظالم کی مصیبت مظلوم سے ہمیشہ زیادہ ہول
ہے۔ دوسروں کے واسطے عذاب کے سامان پیدا کرنے والا
شخص خود بھی اس عذاب سے بچ کر نہیں بھاگ سکتا ہے۔
قدرت ایسے حالات پیدا کرنے میں ہمیشہ مصروف رہتی
ہے۔ جس سے ہر ایک بے کس اپنی داد رسی حاصل کر سکے
اور ہر ایک گناہ گار اپنی سزا پائے +

قدرت نہ صرف زندگی میں ہی گناہ گار کو سزا دیتی
ہے۔ بلکہ موت کے بعد جو کچھ اس پر واقع ہوتا ہے۔ جن
حالات میں اس کو لایا جاتا ہے۔ جن مقاماتِ ہستی میں
اُس کو رکھا جاتا ہے +

زندگی اور موت میں قدرت کا انتظام

وہ ایسے وحشت نا
ہیں کہ قلم ان کا ذ

کرتے ہوئے کانپتی ہے۔زندگی کے عالم میں گناہ گار کے
پاس ایسے سامان موجود ہو سکتے ہیں۔جن کے ذریعہ سے وہ
اپنی اخلاقی بد حالی کو محسوس نہ کر سکے۔دنیاوی دولت۔طاقت
دوست۔یار۔رشتہ دار۔بیرونی سامان دنیا اس کے غم کو غلط
کرنے کے واسطے یا اس کی اخلاقی بد صورتی کو ڈھانپنے کے
واسطے کسی قدر کافی توشہ بہم پہنچاتے ہیں۔مگر پردۂ موت
میں داخل ہو۔یہ تمام بیرونی اشیاء بمعہ اس کے جسم کے اس
سے علیحدہ ہو جاتی ہیں۔اس واسطے نہ کسی قسم کی تسکین ہی
رہتی ہے۔اور نہ ہی کوئی یار۔دوست تسلی دینے والا ہی پاس
رہتا ہے۔البتہ ان بد اعمال اور بد عادات سے مقابلہ کرنا
پڑتا ہے۔جن کا نقش اس کے روح کے گرد حلقہ بند بن
چکا ہوا ہے اور جو اب نہایت شدت سے اس کے آتمک
جسم پر اپنا اثر دکھلاتی ہیں۔ایسی حالت میں اس کی عین
وہی کیفیت ہوتی ہے۔جیسے دنیا میں اس آدمی کی ہوتی ہے
جس کو سخت پیاس لگی ہو۔لیکن اس کے پاس پانی اسکے
بجھانے کے واسطے موجود نہ ہو سکے۔بد عادات تو موجود ہیں
لیکن ان کی سیری کا سامان اس کی پہنچ سے باہر ہے۔
یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب دوزخ کا نقشہ اس قدر
خوفناک پیش کرتے ہیں +

یاد رکھیں جیسے ہماری پیدائش سے پیشتر ہمارے والدین
تعلقات۔شہر۔گاؤں۔رشتہ داروں وغیرہ کا فیصلہ قدرت نے

خود ہی کر رکھا تھا۔ ویسے ہی طبقہ موت میں داخل ہونے سے پیشتر ہمارے واسطے مقاماتِ عذاب یا راحت کا انتظام موجود ہوگا۔ قانونِ ہستی دونوں طبقات میں یکساں عمل کرتا ہے۔ جیسے قدرت کی طاقتیں ہماری پیدائش کے تعلقات کا بندوبست کرتی ہیں۔ ویسے ہی اس کائنات میں ایسی طاقتیں یا دیوتا بھی ہیں جو ہماری موت کے تعلقات کا انتظام کرتی ہیں " ہم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری زندگی کا ہر ایک معاملہ درحقیقت غیب میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ قدرت ہر ایک بات کی اصلیت کو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ رکھتی ہے۔ اس دنیا میں ہم محض نتایج یا ظہورات کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ مگر ان کے اسباب ہماری نظر سے ہمیشہ غائب رہتے ہیں۔ ہر ایک چیز غیب میں موجود ہے۔ پیشتر کہ یہ عالمِ دید میں نمودار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ سچ ہے۔ کہ عالم غیب کی اشیاء اصلی ہیں۔ جبکہ عالمِ دید کی اشیاء نقلی ہیں۔ غیب کی اشیاء ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ جبکہ عالم دید کی اشیاء ہمیشہ تبدیلی پذیر اور عارضی ہوتی ہیں " ٹرائن۔

موجودہ سائنس اور مذہب

(۷) سائنس کی آمد نے جیسے دیگر مذہبی اعتقادوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ ویسے ہی خدائی اعتقاد کو بھی دھکا لگایا ہے۔ موجودہ دنیا میں مذہب محض ظاہری نمایش کا کام

دے رہا ہے۔ مگر عوام الناس کے نزدیک اس کی قدر و منزلت معمولی دنیاوی سامانوں سے بھی بہت کم رہ گئی ہے اگر دنیا دار عموماً کسی عقیدہ کے پابند ہیں تو وہ عقیدہ زیادہ تر دکھلاوٹ کے واسطے ہے۔ بڑے سے بڑے مہذّب تعلیم یافتہ لوگوں کو دھرم کی صداقت پر ایمان نہیں رہا ہے۔ اگر وہ کچھ مانتے ہیں یا تو سوسائٹی کے حفظ امن کی خاطر یا قومی رسم و رواج کے بندھن میں پھنسے ہوئے مانتے ہیں۔ مگر جو اعتقاد دل سے گم ہو چکا ہے۔ وہ ظاہر میں بھی دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ دنیا کے خواہ کسی ملک کی طرف نظر ڈال کر حالات کا ملاحظہ کرو۔ ہر ایک جگہ مذہب ایک فیشن بنا دکھلائی دیتا ہے۔ لوگ گرجوں۔ مندروں میں جاتے ہیں۔ برائے نام کسی خاص ملّت یا فرقہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں اپنے رسوماتِ زندگی میں یا موت میں کسی خاص آئین کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت اعتقاد اس سے گم ہو چکا ہے۔ اگر چہ معدودے چند اشخاص اس عمل سے مستثنےٰ ہوں۔ مگر رواج عام یہی ہے۔ موجودہ زمانہ کے عالموں کے سامنے یہ قدرت جس کا ہر ایک نظارہ عبرت خیز ہے۔ محض ایک مشین دکھلائی دیتی ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کی طرح اس کے عجوبات یا ظہورات کے سامنے سجدہ میں نہیں گرتے ہیں۔ بلکہ دور بین یا خرد بین لگا کر ان کا امتحان کرتے ہیں۔ موجودہ اہل سائنس کے دل سے

وہ خیالِ عبادت دور ہو چکا ہے۔ جو قدیمی پیغمبروں یا نبیوں کے دن میں ایسی موقعوں پر پیدا ہوتا تھا۔ گویا ہر ایک الہامی شریعت موجودہ سائنس کے سامنے اپنا جادو کھو بیٹھی ہے۔ کارلائل اس زمانہ کا ایک اعلےٰ محقق ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب (Past and Present) میں ارقام کرتا ہے:

"مہذب سوسائٹی کا دوزخ روپیہ کا نہ پیدا کرنا۔ شہرت کا نہ حاصل کرنا۔ دنیا میں خطابات وغیرہ سے محروم رہنا ہے۔ اس کا بہشت روپیہ کا جمع کرنا۔ مقابلہ کے میدان میں اپنے بھائیوں کو شکست دینا ہے۔ یہ سوسائٹی کسی دوسرے بہشت یا دوزخ کی معتقد نہیں ہے۔ اس سوسائٹی میں ملازم آقا سے زرِ نقد حاصل کرنے کا حقدار ہے۔ اس کی نظروں میں تمام اخلاقی اور روحانی فرائض ہیچ ہیں۔ ان کی ڈگری مہذب عدالتوں میں نہیں ملتی ہے۔ عدالت صرف روپیہ کی ادائیگی کی ڈگری کرتی ہے۔ اس سوسائٹی کے امرا مصنوعی فیشن پر دلدادہ ہیں۔ اس کا بڑا شاعر بائرن (Byron) ہے۔ جو اپنے آپ کو بے چینی کی حالت میں پاکر سوسائٹی کی حالت کا اظہار نہایت سخت اور اندوہناک الفاظ میں کرتا ہے۔"

ایشور کی ہستی

ایسے زمانہ میں ایشور پر وشواس کسطرح قایم رہ سکتا ہے۔ اہلِ سائینس تجربات سے پرماتما کی ہستی کے سوال کو بھی حل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر

جب وہ دیکھتے ہیں کہ یہ بالکل ناممکن ہے تو خدائی اعتقاد کو محض ایک کلپنا یا وہم قرار دیتے ہیں۔ مگر معاملہ یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتا ہے۔ یہ بہتر ہوتا کہ وہ اپنے اس خام خیال کو اپنے پاس محفوظ رکھتے۔ اور دنیا کو اس خطرناک تعلیم سے بچا رہنے دیتے۔ لیکن مذہبی آزادی کا زمانہ ہے ہر ایک شخص اپنی رائے کو ظاہر کرنے کا مختیار ہے۔ خواہ وہ رائے ابھی تک بالکل ناپختہ ہو یا غلط بنیاد پر ہی قایم ہو۔ مگر قدیمی مذہبی قلعہ جات کو مسمار کرنے میں سعی نہ کرنا نالائقی یا بزدلی میں شمار ہوتا ہے۔ اس واسطے خدائی اعتقاد سے جنگ و جدل قائم کرنا لازمی شرط ہے۔ پس ایشور کے خلاف رسالوں پر رسالے مشتہر کئے جاتے ہیں ایسے اصحاب میدان میں آتے ہیں جو یہ ثابت کرنے کا بیڑا اٹھانے کا دعوے کرتے ہیں کہ دنیا میں جتنا گناہ اور عذاب ہے۔ وہ محض اسی اعتقاد کی وجہ سے ہے۔ اگر آج ہی سب لوگ ناستک یا منکرِ خدا بن جاویں تو دنیا ایک نمونہ بہشت بن جاوے ÷

اگر کسی قدیمی زمانہ میں بعض اقوام نے تعصب کے ناپاک جذبہ کے ماتحت دوسری اقوام کی خون ریزی کی تو یہ بھی خدائی اعتقاد کا ہی نتیجہ بتلایا جاتا ہے۔ اگر دنیا میں ہر ایک قوم کا معبود علیحدہ ہے اور یہ علیحدگی کم فہم انسانوں کے درمیان باہمی فساد کا باعث بنتی ہے تو یہ بھی خدا پر ایمان رکھنے کا نتیجہ کہا جاتا ہے۔ اگر مذاہب کی مختلف کتابوں میں مختلف پہلوؤں سے وحدانیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور

ان مختلف پہلوؤں کی ضرورت نہ سمجھنے سے بے سمجھ لوگ آپس میں بحث مباحثہ کرتے یا لڑتے بھڑتے ہیں۔ تو یہ بھی خدا کا قصور ہے۔ دنیا میں لاکھوں انسان بھوکے مرتے ہیں۔ ہزاروں اقسام کی خوفناک امراض ہر روز لاکھوں کو لقمہ موت بناتی ہیں۔ طوفان۔ بھونچال آتے ہیں۔ ایک طاقتور حیوان دوسرے کم زور کو نگل جاتا ہے۔ ہزاروں اقسام کی آفات آتی رہتی ہیں۔ جو اس زمین پر انسانی زندگی کو پر از عذاب بناتی رہتی ہیں۔ مگر رحیم خدا خاموش رہتا ہے۔ یہ کس قسم کا رحم ہے۔ غرضیکہ اس قسم کے سینکڑوں اعتراضات ایشور کی ہستی کے متعلق اس زمانہ میں مشتہر کئے جاتے ہیں اور کم زور دل انسانوں کو اس پرم دیو پرماتما کے چرنوں سے منحرف کیا جاتا ہے۔ جس کی جیوتی یا جلال ہی اس تمام کائینات میں اصلی راحت کا چشمہ ہے۔ اور جس کی قرابت سے ہی انسان کے تمام عذاب و دُکھ منہدم ہو سکتے ہیں۔

(۸) حضرت انسان۔ اس بات کو بخوبی ذہن نشین کرلے کہ یہ تمام کارخانۂ قدرت جس کو تو دیکھ رہا ہے۔ اور جو تیری نظر سے غائب ہے۔ اس کا ایک ایک محکمہ اتنا وسیع اور عمیق ہے کہ تیری لاکھوں عمریں بھی اس کے فرداً فرداً تحقیقات کے واسطے کافی نہیں ہو سکتیں۔ اگر ساری دنیا کے تمام افراد ایک ایک احاطہ اس قدرت کا اپنی تحقیقات کے واسطے مخصوص کرلیں۔ اور کروڑوں برسوں تک یہ تحقیقات جاری

رہے۔ تو بھی ہمارا دعوے ہے کہ اس قدرت کا بہت ہی خفیف علم انسانی دنیا کے ورثہ میں آئے گا۔ صد افسوس جو لوگ یہ نہیں جان سکتے ہیں۔ کہ کل ان پر کونسی آفت آنے والی ہے یا آیندہ ان کی زندگی کا کیا حال ہوگا۔ کب تک وہ زندہ رہیں گے۔ اس جہان میں آنے سے پیشتر وہ کہاں تھے اور مرنے کے بعد کہاں جاوینگے جو اپنی زندگی کے ہر ایک معاملہ کو شک و وہم کا شکار پاتے ہیں۔ جن کو اپنی زیست کے کسی امر پر بھی خواہ وہ کیسا ہی خفیف ہو۔ کامل یقین یا دعوے نہیں ہوسکتا وہ اس قدرت کے مالک کی ہستی پر نکتہ چینی کرنے کا دعوے کرتے ہیں۔ جس کی کائنات کا ہر ایک ذرہ علم کا بے انتہا سمندر ہے۔ جس کی طاقت کا ہمارا ہی نظام شمسی ایک ادنٰے نمونہ ہے۔ اور جس کی قدرت میں ایسے نظام شمسی بے شمار موجود ہیں۔ حضرت انسان ذرا آنکھ اٹھا کر جلال الٰہی کو دیکھ اور بتلا کہ آیا یہ قدرت بلا کسی منتظم طاقت کے چل رہی ہے۔ ؎

قادر مطلق ہے تو ہر جزو اور کل پہ قدیر
صانع بے منّت اسباب و بے چون و چرا
ایک شمہ تیری قدرت کا ہے ساری کائنات
ایک کرشمہ تیری صنعت کا ہے یہ ارض و سما
ہے مکان تجھ میں مقیم افلاک سے لے تا بہ خاک

ہے زمان پہ تو محیط از ابتدا تا انتہا

اپنی قدرت میں تجھے خواہش نہیں اسباب کی

اپنی صنعت میں نہیں محتاج تو آلات کا

یہ بھی کہنا ایک یقین ہے کہ تو خلّاق ہے

تو ہے ذات لاتعین بے چگون و بے چرا

دعوے باطل نہیں دعوے ارباب کشف

ذات جس کی علم ہے معلوم وہ کب ہو سکا

از کلام مہر

ایشور خود علم ہے۔ علم اس کا عنصر ہے۔ ایک صفت نہیں ہے۔ خدا عالم الغیب ہی نہیں ہے۔ بلکہ بذات خود علم ہے۔ اس کی ذات پاک سے منکر بننا علم کی ذات سے انکار کرنا ہے ✣

حضرت انسان خواہ اس ذات پاک سے انکار کر خواہ اس کے روبرو دست بستہ سجدہ میں گر۔ مگر یاد رکھ کہ تیرے انکار یا اقبال کی ہستی مطلق محتاج نہیں ہے۔ نہ وہ تیری بندگی کی خواستگار ہے۔ نہ ہی تیرے انکار سے اُس کے جلال میں کچھ فرق آ سکتا ہے۔ وہ اپنے ایشوریہ میں دونوں صورتوں میں یکساں قائم ہے۔ اور قائم رہے گی۔ یہ تیرا اپنا فائدہ ہے۔ کہ تو اس چشمہ راحت سے راسخ الاعتقادی سے فیض یاب ہونے کا مصمم ارادہ کر لے۔ یا اپنے واسطے عذاب اور مصیبت کا

راستہ پسند کرے +

ایشور پر اعتقاد انسانی کم زوری کا نتیجہ نہیں ہے۔ نہ ہی ایشور کو انسانوں نے اپنی کلپنا یا کم زوری سے پیدا کیا ہے۔ اور نہ ہی یہ نتیجہ درست ہے۔ کہ چونکہ مختلف انسانوں نے اپنی اپنی حالت کے موافق مختلف اقسام کے خیالی دیوتا یا خدا پیدا کئے ہیں۔ اس واسطے انسان ہی ایشور کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ ایشور پر اعتقاد بشریت کی لازمی ضرورت ہے۔ یہ انسانی ہستی کا سب سے بڑا لوازمہ زندگی ہے۔ جس کے بغیر نہ انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی مر سکتا ہے منکرِ خدا جو اپنے انکار کی تمام جہان کے سامنے منادی کرتا ہے۔ اسی انکار سے اس طاقت کی ہستی کا بدیہی ثبوت دیتا ہے۔ جس سے وہ اپنی زبان یا قلم سے منکر بنتا ہے۔ بلا اعتقاد کوئی بشر اس زمین پر آج تک نہ پیدا ہوا ہے۔ اور نہ ہی آیندہ پیدا ہوگا اعتقاد روح کی غذا ہے۔ اس کے بغیر روح کا قیام ہی نا ممکن ہے۔ مضایقہ نہیں۔ یہ اعتقاد کسی رنگت کا ہو کسی نبی یا رسول پر ہو۔ کسی دیوتا یا اوتار پر ہو۔ کسی فلسفہ یا سائنس پر ہو۔ مگر بلا اعتقاد انسان کی ہستی کا قیام نا ممکن ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم نکالیں کسی زمانہ کی پڑتال کریں۔ کسی ملک کے حالات کا

مطالعہ کریں۔ وحشی اقوام سے لے کر موجودہ زمانہ کی
نہایت مہذب اقوام کی بڑے سے بڑے عالم کے
خیالات کا امتحان کریں۔ اور ملاحظہ کریں کہ آیا کوئی بشر
یا کوئی قوم آج تک کسی نہ کسی قسم کے اعتقاد کے بغیر
اس دنیا میں زندہ رہی ہے۔ وسط افریقہ کا نہایت جاہل
وحشی بھی اپنا فٹش (معبود) (Fetish) رکھتا ہے۔
جس کے مواجہ میں سر تسلیم خم کرنا وہ اپنے واسطے
سعادت مندی اور عبادت کا وسیلہ خیال کرتا ہے۔
پس یہ قیاس احاطہ امکان سے خارج ہے۔ کہ انسان
بلا اعتقاد اپنی ہستی قائم رکھ سکتا ہے۔ البتہ اعتقاد
میں اختلافات کا ہونا صداقت کی تلاش کے واسطے
ضروری امر ہے۔ اس کے بغیر نہ تو انسان ترقی کر سکتا
ہے۔ اور نہ ہی انسانی دنیا اپنے معلومات کو بڑھا سکتی
ہے۔ اگر تمام انسان ایک قسم کے عقیدہ پر آج ہی کاربند
ہو جاویں تو ہماری ترقی علم کی امید بھی آج ہی قطع ہو
جاوے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ صداقت دنیا
میں اختلاف رکھتی ہے۔ بلکہ غرض یہ ہے۔ کہ صداقت
کی تلاش کے راستے مختلف ہیں۔ اور ہونے چاہئیں۔ تاکہ
انسان باہمی تبادلہ خیالات سے راستی پر اتفاق کر سکیں
اور اس کا صحیح راستہ معلوم کر سکیں ÷

"ہم پیدائش سے ہی معتقد پیدا ہوتے ہیں۔ آدمی اعتقاد

رکھتا ہے۔ جیسے کہ درخت پھل رکھتا ہے۔ جیسے قدرت میں ہم وزنی ہر ایک ذرہ میں موجود ہے ویسے ہی راستی کی ہستی میں اعتقاد ہر ایک دل میں موجود ہے۔ اور یہ ہی سوسائٹی کا محافظ ہے۔ مذاہب اور گرجوں کی بربادی پر ایشور اپنا مندر انسانی دل میں بناتا ہے۔ مذہب ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ غیب میں اعتقاد یا غیب کا خوف ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ مگر اعتقاد معتقد کی حالت سے اونچا نہیں جا سکتا۔ وحشی اقوام کا خدا بھی وحشی ہوگا۔ کروسیڈر کا خدا بھی کروسیڈر ہوگا۔ اور سوداگروں کا خدا بھی سوداگر ہوگا +

مگر ہر ایک زمانہ میں ایسے عجیب ارواح پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کا تعلق کسی خاص ملک یا وقت کی نسبت زیادہ تر تمام دنیا کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ لوگ صداقت کا پرچار کرتے ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ خواہ ان کے خیالات کیسی ہی عزت سے قبول کئے جاویں۔ مگر جلدی ہی وحشیانہ تعبیروں سے غلط کئے جاتے ہیں۔" (ایمرسن)

یہ یاد رکھنے کی بات ہے۔ کہ معبود ہمیشہ اور ہر جگہ عابد کے دائرہ قیاس کے محیط سے محدود ہوا کرتا ہے جس قدر عابد کا علم ترقی کرتا ہے۔ اس کا معراج عبادت بھی بڑھتا جاتا ہے۔ عبادت کے صحیح معنے معبود کی قرابت ہے۔ اس واسطے اس کو سنسکرت زبان میں اشٹ دیو کی اوپاسنا کہتے ہیں۔ جتنا نزدیک عابد اپنے اس معراج

عبادت کے آتا جاتا ہے۔ اتنا ہی وہ اپنی غیریت کے خیال کو جو تمام انسانی خود غرضی اور گناہگاری کی بنیاد ہے۔ترک کرتا جاتا ہے۔ دیدار یا وصالِ معبود سے مراد اسی غیریت کے پردہ کا انہدام ہے۔ جس کے غایب ہونے پر انسان اپنے آپ کو اپنے معبود یا معراج خیال کے ساتھ یگانگت یا ایکتا کی حالت میں تصور کرتا ہے +

کیا ہم دنیا میں ملاحظہ نہیں کرتے۔ کہ ہر ایک قسم کی کامیابی خواہ وہ کسی دنیاوی پیشہ زندگی میں ہو۔ کیا امتحان پاس کرنے یا علمی مشاغل میں ہو۔ ایسی ہی حالت کے پیدا کرنے پر منحصر ہے۔ جب تک ایک سوداگر اپنے تجارتی معراج سے یگانگت کا خیال پیدا نہیں کر سکتا۔ تب تک وہ کسی پیشہ میں یا بیوپار میں کامیاب بھی نہیں ہو سکتا۔ ویسے ہی جب تک ایک طالب علم یا مصنّف اپنے معراجِ تعلیم یا خیال سے ایکتا کا بھاؤ (محویّت) پیدا نہیں کر سکتا۔ تب تک وہ اپنے اس صیغہ زندگی میں کامیابی کی امید بھی نہیں کرسکتا۔ یہی فلسفہِ عبادت ہے۔ خواہ اس کا عمل دنیاوی معاملات میں ہو۔ خواہ روحانی شغل میں۔ مگر اصول ایک ہی ہے +

دنیا میں ایسا کون شخص ہے۔ جو کہ اپنا معراجِ عبادت نہیں رکھتا ہے۔ خواہ یہ معراج نفسانی لذات کا حصُول ہو یا دنیاوی عزت۔ دولت۔ حکومت یا طاقت کا اشتیاق

ہو۔ مگر ہر صورت میں ہر ایک دل اپنے کسی معشوق کا گرویدہ ہے۔ جس کے وصال یا دیدار کا وہ ہر وقت خواہاں ہے۔ بھگتی یا عبادت کا بھاو ہر ایک دل میں موجود ہے۔ خواہ حضرت انسان اس کو عارضی دنیاوی سامانوں ہی کی جستجو میں لگا کر دن رات ان کی عبادت میں محو رہے۔ خواہ اُن کا جائز استعمال سیکھ روحانی درجہ حاصل کر اکھنڈ آنند اور ایشوری پریم میں مست رہنے کا اشتیاق پیدا کرلے *

(۱۰) انسان معتقد پیدا ہوا ہے۔ وہ پرستش ضرور کرے گا۔ وہ بلا معبود اپنی زندگی کا امکان ہی نہیں پاتا ہے۔ وہ لوگ واقعی مبارک ہیں جو دنیاوی پدارتھوں سے اپنی طبیعت کو ہٹا کر پرماتما کے چرنوں میں اپنے دل کو لگاتے ہیں۔ ایسے ہی نیک نہاد عابد اپنی زندگی کا اصلی ثمرہ حاصل کرتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ کو غور سے مطالعہ کریں۔ اعتقاد کا زمانہ ہمیشہ معجزہ خیز ہوتا ہے یہ ایسے ہی اوقات میں ہے۔ جبکہ دنیا کے سامنے ان حیرت دہ طلسماتِ علم و عقل کا نمود ہوا ہے۔ جبکہ اعلےٰ فنون۔ اعلےٰ تصنیفات کا ظہور ہوا ہے۔ ان عجوبات کے ظاہر کرنے والے عالم ہمیشہ اعلےٰ روحانی اعتقاد کے زیرِ اثر کام کرتے رہے ہیں۔ دنیا میں اور دین میں دارین میں اسی اعتقاد کی بدولت حضرت انسان

ان کمالات کا مظہر ثابت ہوُا ہے۔ جن سے تمام علم و فلسفہ کا اس جہان میں قیام ممکن بنا ہے۔ ہر ایک نبی پیغمبر مہاتما۔ ولی اللہ کی اعلےٰ زندگی۔ اعلےٰ نورانی خیالات روشن ضمیری کا راز در اصل بھگتی ہی ہے۔ یہ اسی طاقت کی بدولت ہے کہ گرو نانک اور کبیر جیسے عارفوں کی زبان آج تک لاکھوں انسانوں کے واسطے تسکین بخش اور تسلی دہ رہی ہے +

حضرت انسان یاد رکھ اگر تو اس پاک پروردگار کون و مکان کے مالک پرم ایشور کی عبادت سے منحرف بن کر اس دنیائے فانی میں آرام یا راحت کی امید رکھے۔ تو یہ تیری عین خام خیالی ہے۔ ایسا نہ کبھی ہوُا ہے۔ اور نہ ہی ہو گا خیال رکھ عابد اور معبود ایک ہی قسم کے (magnetism) مینگنٹ ازم سے موثر ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کی طاقت برقی دونوں کو متحرک کرتی ہے۔ جو لوگ اس چشمہ لافانی اور مدامی راحت سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ ان کو جبراً قہراً دوسرے معبود گھڑنے پڑتے ہیں جو ہمیشہ عارضی یا ناپاک ہوتے ہیں۔ اور جن کی عبادت سے عابد اور معبود دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ جو لوگ کسی انسان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ کاشکہ وہ اپنی اس غلط کاری کا نتیجہ جلدی ہی محسوس کر سکیں۔ اس قسم کا عمل فریقین کے لئے روحانی قواؤں کی تباہی میں انجام دیتا ہے۔ دنیا میں جتنا پاپ گرودم یا پوپ ڈم سے پھیلا ہے در اصل اس کی یہی وجہ

ہے۔ عابد نہیں جانتا کہ کس طریق سے یا کس قانون سے ایک نامعلوم طور پر معبود کے نیک و بد جذبات کو وہ اپنے اندر داخل کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ان تمام خیالات سے متاثر بن جاتا ہے۔ جو اس کے معبود کے دل میں جاگزیں ہیں اس قسم کی عبادت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مرشد و مرید دونوں کی ترقی رُک جاتی ہے اور بعض اوقات جیسا کہ تاریخ دنیا سے ظاہر ہے۔ بڑے بڑے خطرناک نتایج کا ظہور ہوتا ہے ؛

جہاں خدا پرستی غائب ہوتی ہے۔ وہاں مردم پرستی۔ پیر پرستی شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں۔ کہ ہم گرو۔ نبی مرشد کی تعظیم نہ کریں۔ کیونکہ ایسا نہ کرنا گناہ میں داخل ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے۔ کہ انسان کی تعظیم کی ایک واجب حد ہے۔ جس سے تجاوز کرنا بھی گناہ ہے۔ گرو۔ نبی۔ مہاتما محض اس دربار کے ایلچی ہیں۔ جہاں باریاب ملازمت ہونا ہمارا مقصد زندگی ہے۔ اگر کوئی شخص اس دربارِ عظیم کا خیال بھلا کر قاصد کی پرستش میں محو بن جاوے۔ تو یہ فریقین کے واسطے مضر ہے۔ آیندہ نہ تو مرشد اپنے فرضِ منصبی کو ادا کرنے کے قابل رہے گا۔ اور نہ ہی مرید اپنے منزلِ مقصود کو پہنچ سکے گا۔ عین یہی نقشہ ہر ایک زمانہ میں گرودم کا ہوا ہے ؛

بعض لوگ بلا ایشوری وشواس کی بنیاد کے اخلاقی عمارت

بنانا چاہتے ہیں۔ وہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ بلا خدائی ایمان کے انسان نیک اور فیاض بن سکتے ہیں۔ پس کس دیوتا یا ایشور کی ضرورت کو وہ انسانی وہم قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کے اشخاص ایک دریا کا نقشہ بلا اس کے منبع یا دہانہ کے کھینچنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ اس رمز سے بالکل بے خبر ہیں۔ کہ چشمہ نیکی اور فیاضی سے علیحدہ ہو کر نیک اور فیاض قائم رہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ بھلا جو انسان نیکی یا فیاضی میں ایمان ہی نہیں رکھتا ہے۔ وہ نیک یا فیاض کس طرح رہ سکتا ہے۔ البتہ اگر وہ قانونِ صداقت کی ہستی کا معتقد ہے تو ہم اسکو خالص منکر یا کافر نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اور اس کا یہ دعوےٰ کہ وہ خدا کی ذات سے منکر ہے محض بے سود ہے۔ جو علمائے سائنس اخلاق کی بنیاد محض انسانی تعلقات کی عمدگی پر قائم کرتے ہیں۔ اور تبلاتے ہیں کہ نیکی وہ ہے جو مفید عام ہو۔ جس سے ہمیں کوئی فائدہ حاصل ہو۔ جس سے عوام کو فائدہ حاصل نہ ہو وہ بدی میں شمار کرتے ہیں۔ وہ اس قدرت کو محض ایک مشین تصوّر کرتے ہیں۔ جس میں انسانی نفع اور نقصان کے معیار سے تمام اشیا کا ناپ ہو رہا ہے۔ یہ افسوس ہے کہ وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں۔ کہ انسان اعلےٰ جذبات رکھتا ہے۔ وہ محض دنیاوی نفع و نقصان کا زر خرید غلام نہیں بنایا گیا ہے۔ ایسا شیوہ اختیار کرنے سے وہ اپنے عنصرِ زندگی کو بھولتا ہے۔ اس کے اعلےٰ جذبات آہستہ آہستہ اسواسطے

غایب ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ ایسا رہنما نہیں پاتے ہیں۔ جس کی جانب وہ مخصوص کئے جا سکیں۔ اس کی تمام محنت اور دماغ اس لئے تن پروری میں لگتا ہے۔ خود غرضی مقصدِ زیست بنتی ہے ساری سوسائٹی پراگندہ بنتی ہے۔ جس طرح مادہ صحت کی معدومیت سے انسانی جسم برباد ہو جاتا ہے۔ عین اسی طرح (عنصر محبّت) کی معدومی سے سوسائٹی کے جسم کے سارے اجزا میں ابتری پھیل جاتی ہے" موجودہ زمانہ کی عالم گیر حرص لہو و لعب اور باہمی مقابلہ کی یہی علت نمائی ہے +

کینٹ جرمنی کا اعلےٰ فلسفہ دان ہے۔ وہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے +

بلا ایشوری وشواس کے اور بلا ایسی دنیا پر ایمان قائم کرنے کے جس کی ہم امید رکھتے ہیں۔ لیکن جس کو اب ہم دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ اخلاق کے اعلےٰ سے اعلےٰ خیالات تعریف یا توصیف کا مضمون بے شک ہوں لیکن عمل اور فعل کا وسیلہ نہیں بن سکتے ہیں +

Without a God and without a world not visibl to us now but hoped for the glorious ideas of morality are indeed objects of applause and admiration but not springs of purpose and action.

(۱۱) ایک بزرگ .. .. مہاتما براہمن کا قول ہے "مالکِ قدرت رحیم و کریم ہے۔ اُس نے دنیا دیا اور پریم کے بھاؤ سے پیدا کی ہے۔ اگر ہم اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اس کا جلال سامنے نظر آتا ہے۔ اگر ہم انکو زمین کی طرف ڈالتے ہیں تو یہ نیک اور دل کے خوش کرنے والے تاثرات سے بھرپور ہے۔ پہاڑیاں اور وادیاں راحت سے لبالب ہیں کھیت جنگل اور دریا اس کی شان کا تماشہ دکھلا رہے ہیں۔ اے انسان خود تیرے ساتھ کون ایسی چیز ملحق کردی گئی ہے۔ جوکہ اس سے بالکل غیر مشابہ ہے۔ جس کو تو دیکھتا ہے کوئی چیز تیری مٹی کو زندگی بخشتی ہے۔ اور تیرے حواسوں کے مدعا سے اعلےٰ ترین ہے۔ ملاحظہ کر یہ کیا ہے۔ اس کے غائب ہونے پر جسم ویسے ہی موجود رہتا ہے۔ اسواسطے یہ جسم کا کوئی حصہ یا جز نہیں ہے۔ یہ مادہ کی ساخت نہیں ہے۔ اس واسطے قائم بلذات ہے۔ یہ اپنے اعمال کے کرنے میں آزاد ہے۔ اس لئے اپنے افعال کے واسطے ذمہ وار ہے (اے انسان) تو اپنے آپ کو ایشور کی سرشٹی کا فخر خیال کر۔ تو ہی ایسا زنجیر ہے۔ جوکہ پرکرتی اور پرش۔ (مادہ اور خدا) کو ملا رہا ہے۔ اپنے اندر خدائی شان کو ملاحظہ کر اور گناہ میں آلودہ ہونے سے پرہیز کر+

کیا سورج مٹی کو پتھر میں تبدیل نہیں کر دیتا ہے اور کیا وہی سورج موم کو پگلا نہیں دیتا ہے۔ جیسے یہ ایک ہی

سورج ہے۔ جو ان دونوں فعلوں کو کرتا ہے۔ ویسے ہی یہ ایک ہی جیو ہے جو مختلف اور متضاد خواہشات کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ چاند اپنی خاصیت کو قایم رکھتا ہے۔ اگرچہ اندھیرا اس کے چہرہ پر پردہ بن کر حائل ہو جاوے۔ ویسے ہی آتما احمق کے دل میں بھی اپنے مکمل جلال کو قائم رکھتا ہے۔ درحقیقت یہ محض انسانی غلط فہمی ہے کہ مالک قدرت نے اس جہان میں دیدہ دانستہ عذاب و مصیبت پیدا کی ہے یا وہ ہمارے جیسے کم زور انسانوں پر عذاب نازل کر۔ تجربے کرنا پسند کرتا یا روا رکھتا ہے۔ خواہ اس عذاب سے ہمارا کیسا ہی فائدہ مفہوم ہو۔ مگر عذاب یا آفت بلاوجہ اور بلا سبب کیوں نازل ہو۔ یہ افسوس ہے کہ لوگ اس صداقت کو ذہن نشین نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ سب آفتیں ہمارے ہی اعمال کی شامت ہیں۔ خداوند کریم سراپا نیکی ہے اور نیکی کبھی بدی کا مخرج نہیں ہو سکتی۔ یہ ہماری کم زوری ہی تو ہے۔ جس سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ اور آخر بدی میں مبدل ہوتی ہے۔ یہ قدرت واقعی مخزن علم و نور ہے۔ اس کی ہر ایک ساخت و پرداخت میں آب حیات کا رس بھرا ہے مگر وہی ارواح مبارک ہیں جو اس امرت کو اس قدرت سے پان کر سکتے ہیں +

(۱۲) ہر ایک آفت باوجہ ہے۔ ہر ایک عذاب باسبب ہے۔ مگر اس کا صحیح فائدہ حاصل کرنا ہر ایک شخص کا کام

نہیں ہے۔ سینکڑوں ایسے اصحاب ہوئے ہیں۔ جنہوں نے
عذاب سے فایدہ حاصل کیا۔ اور اس جہان میں نام پیدا
کرلیا۔ واقعی افلاس ایک نہایت بڑا عذاب ہے۔ دیگر عذاب
برداشت ہو سکتے ہیں۔ مگر افلاس کا برداشت کرنا محال
ہے۔ بیماری ہوگی۔ ہم حکیم و ڈاکٹر بلوا لیں گے۔ کسی دوست
سے دائمی جدائی ہو جاوے گی۔ تو ہم آہستہ آہستہ برداشت
کرنا سیکھ جاویں گے۔ کسی رشتہ دار کی موت یا کسی عزیز
کی تکلیف کو ہم سہ لیں گے۔ مگر افلاس کا دُکھ سہنا دن
رات آتش میں جلنا ہے۔ لیکن ایسے طریق اور عمل بھی ہیں
جن سے افلاس ایک برکتِ اعظم میں تبدیل ہو سکتا ہے۔
ہزاروں مہاتما افلاس میں ہی پیدا ہوئے۔ اسی افلاس نے
اُن کو نیک نیتی۔ صلح جوئی۔ اور نیک نہادی کے زیور سے
آراستہ کیا۔ علم کے نور سے اُن کے دماغ کو منور بننے کا
موقع عطا کیا ✣

کبیر جی نہایت غریب اور رذیل خاندان میں ظاہر
ہوئے۔ اُن کی ساری عمر عذاب اور مصیبت میں گذری
مگر خیال رکھیں آج لاکھوں انسان اس مہاتما کی پاک کلام
سے اپنی روحانی زندگی حاصل کرتے ہیں ✣

شری گورو نانک جی مہاراج بھی ایک معمولی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ ساری عمر ان کو صدہا تکالیف کا
مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ مگر ان کے پاک دل۔ منور دماغ سے

اہل دنیا کو جس قدر فیض حاصل ہؤا اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ جہاں ان کی پاک کلام اب بھی پڑھی جاتی ہے۔ مردہ دل کو ایک بار زندہ کر دیتی ہے۔ کیا کسی دولت مند یا رئیس گھرانہ میں آج تک ایسے نیک نہاد روشن ضمیر مہاتما پیدا ہو سکے ہیں ؛

اپنا حساب و کتاب صاف رکھو

سوال یہ ہے کہ ہم قدرت کی نازل کردہ آفتوں کو کس طریق اور کن معنوں میں قبول کرتے ہیں۔ اگرچہ ہر ایک آفت ہمارے ہی کرم کا نتیجہ ہے۔ مگر آئندہ کا کرم ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ پچھلا حساب تو ہم ادا کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔ مگر آئندہ کا حساب کھولنا ہمارے بس میں ہے۔ جس طرح کا حساب چاہیں۔ ہم ڈال سکتے ہیں۔ قدرت ہر ایک قسم کے حساب کے واسطے طیار ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ اگر پھر گندہ حساب کھولیں گے تو پہلے سے بھی زیادہ آفتوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ یہ اپنا لیکھا کوڑی کوڑی تک لے کر چھوڑتی ہے۔ اس کا قانون اٹل ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو۔ خواہ اپنے دنیاوی سامانوں کے فخر پر مالک قدرت کے قوانین پر تمسخر کرو۔ خواہ حماقت انسانی سے دنیا میں ہر روز لکچر دو کہ جو ہماری موج ہوگی ہم کریں گے۔ مگر یاد رکھو جیسا حساب ڈالو گے۔ بلا ادا کئے تم چھوٹ نہیں سکو گے

خواہ اس جہان میں رہو خواہ عالمِ بقا میں داخل ہو جاؤ۔ دونوں جہان میں لیکھا ادا کرنا پڑیگا۔ جس جس جاندار کے ساتھ گندہ حساب کھولا گیا ہے۔ جن کو کسی قسم کی اذیت پہنچائی گئی ہے۔ ان تمام کو قدرت سے دادرسی کا موقع ملے گا۔ اگر سلامتی منظور ہے تو اپنا حساب صاف رکھو + **مصرع** آن را کہ حساب پاک است۔ از محاسبہ چہ باک + ہر ایک بشر کو اس کا حق عطا کرو ہر ایک جاندار کو آرام دو۔ یہ دل میں جانشین کر لو کہ اس قدرت کا اصلی مالک ایشور ہے۔ اور وہ ہمیشہ اپنا قانون پورا کرتا ہے۔ اگر تم قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کرو گے تو تم کو ہر ایک قسم کی مصیبتوں سے محفوظ رکھا جاویگا زندگی اور موت میں تم کو امداد غیب سے ملتی رہے گی ہر ایک نیک کام میں کامیابی تمہاری امیدوں سے بڑھ کر ملے گی۔ تمہارے بگڑے ہوئے کام بن جاویں گے یہ سب رحمان کا رحم و کرم ہے۔ جو محض اُن کو عطا ہوتا ہے۔ جو اپنی نیک زندگی سے اس کے مستحق بن چکے ہیں +

सुखं वा यदि वा दुःखं यत्किंच तत्क्रियते परे।
ततस्तत्तु पुनः पश्चात्सर्वमात्मनि जायते॥

سوکھ یا دوکھ جو کچھ دوسروں کو دیا جاتا ہے وہی پھر سب کچھ اپنے آپ کو بھوگنا پڑتا ہے (وکش سنگھتا) +

فصلِ دوئم

قانونِ عدل

सत्यं वद सत्यान्न प्रमदितव्यम्
सत्यात् नास्ति परो धर्मः ॥ यजु॥
नास्ति सत्यात्परो धर्मो नानृतात्पातकं परम्
स्थितिर्हि सत्यं धर्मस्य तस्मात्सत्यं न लोपयेत्
(महाभारत)

سچ بولو۔ صداقت سے کبھی غفلت مت کرو۔
صداقت سے بڑھ کر کوئی دھرم نہیں ہے۔
(از یجروید)

صداقت سے بڑھ کر کوئی دھرم نہیں ہے۔ اور جھوٹھ سے زیادہ کوئی پاپ نہیں ہے۔ دھرم کی پشتپناہ صداقت ہی ہے۔ اس واسطے صداقت کو کبھی چھپانا نہیں چاہئے۔
(از مہابھارت)

قانون صداقت سے موجودہ دنیا کی لاپرواہی

(۱) دنیا اس زمانہ میں ایک عجیب مرحلہ تہذیب سے گذر رہی ہے۔ قدیمی مذاہب اور پرانے اعتقاد اپنا جادو آمیز اثر کھو بیٹھے ہیں۔ الہامی شریعت سے مہذب دنیا کا ایمان غایب ہو چکا ہے۔ قدیمی دیوتا اور پرانے پیغمبر اپنے تخت سے اتارے جا رہے ہیں۔ مذہب محض ایک فیشن بن رہا ہے۔ بڑے بڑے مہذب تعلیم یافتہ قانونِ زندگی کی صداقت پر شک کرنے لگ پڑے ہیں۔ قدرت محض ایک مشین متصور ہو رہی ہے۔ جس کے ہر ایک پرزے کا حال انسان دوربین یا خردبین سے معلوم کرنے کا دعوےٰ کر رہا ہے۔ نیکی اور بدی کا معیار محض تجارتی بن رہا ہے بڑے بڑے اہل دماغ لذاتِ جسمانی یا نفسانی کی سیری کے حصول کو ہی مدعاء زیست خیال کر رہے ہیں۔ ہر ایک انسانی قابلیت نفسانی خواہشات کی سیری کے سامان بہم پہنچانے میں صرف کی جا رہی ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اہل دنیا کے دل میں یہ زعم پیدا ہو گیا ہے کہ اس جہان میں پاپ ہی پھلتا ہے۔ چالاکی اور شرارت ہی کامیاب ہوتی ہے۔ معصومیت اور نیک نہادی خوار اور رسوا ہوتی ہے۔ کسی گناہ گار کے پاس

حشمت اور ثروت کے سامان ملاحظہ کر یہ زعم یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے اور دنیا دار متحیر ہو کر سوال کرتے ہیں کیا صداقت اس دنیا پر حکمران ہے +

اگرچہ انسانی ضمیر اپنی سرشت سے لاچار صداقت کی طاقت سے قطعی انکار نہیں کر سکتی تاہم ایسے حالات میں لوگ یہ نتیجہ ضرور اخذ کر لیتے ہیں کہ اگر اس قدرت میں کوئی قانون عدل ہے تو وہ زندگی کے بعد عالم بقا میں اپنا عمل کرتا ہوگا۔ اس کا اثر موت کے بعد کے حالات پر ہوگا۔ مگر اس جہان میں انسانی زیست سے جہاں تک واسطہ ہے اس قانون کا ظہور بہت ہی کم دکھلائی دیتا ہے پاکیزہ سیرت۔ نیک رو۔ صادق رفتار اصحاب کو اس دنیا میں مصیبت افلاس یا آفت میں مبتلا دیکھ کر یہ خیال اور زیادہ مضبوطی سے دل پہ نقش ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے دماغوں کے اندر یہ بھاؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس جہان میں بلا کسی قدر جھوٹ کی ملاوٹ کے یا حکمت عملی یا پالیسی کے کام چل ہی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے ہم اس دنیا میں بیکن جیسے عالموں کو نیکی اور بدی کے فوائد کو نفع اور نقصان کے ترازو میں تولتے ہوئے پاتے ہیں۔ اعلے سے اعلے مدبروں کو حکمت عملی کے جوڑ توڑ میں مصروف دیکھتے ہیں۔ بڑے بڑے عقلمندوں کو پالیسی کی ادھیڑ بن میں دن رات

مشغول ملاحظہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ یہ اعتقاد اہل دنیا کے دل میں ایسا جانشین بن گیا ہے کہ عوام الناس کو اس سے موڑنا گویا پہاڑ سے مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عالم یہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ صداقت کتابوں۔ لکچروں میں تو خوب زیبایش دیتی ہے۔ لیکن دنیا کے پیچیدہ معاملات میں اس پر پورا عمل کرنا ناممکن ہے۔ یہ خطرناک راستہ دکھلاتی ہے یہ دنیاوی معاملات میں ہزاروں مصیبتوں کا مقابلہ پیش کرتی ہے۔ اس واسطے "پکے" دنیادار وہی کہلاتے ہیں۔ جو جھوٹ کو ایسے لباس میں آراستہ کرسکیں کہ وہ صداقت ہی معلوم ہو +

(۳) مگر ہم خواہ قانونِ صداقت سے انکار کریں یا اقبال کریں۔ دونوں صورتوں میں اس کا اثر ہماری زندگی پر کما حقہٗ ہوتا ہے۔ قدرت ہمارے انکار یا اقبال کی مطلق پرواہ نہیں کرتی۔ وہ اپنے قوانین کے عمل میں ویسی ہی باقاعدہ اور باسلیقہ رہتی ہے۔ اس کا قانون ہمیشہ اٹل ہے۔ اور یہ ہی اس کی صداقت اور خوبصورتی کا مظہر ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم ایسے مالک کی خدائی میں پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ جو ہمارے اعمال کے حساب و کتاب کو اپنی فرصت کے وقت مطالعہ کرتا ہو۔ جس کی سیاست مدن میں مشیروں یا مدبروں کی حاجت ہو۔ جس کی

عدالت میں ہر ایک مقدمہ کا علیٰحدہ وقتِ سماعت یا تاریخ مقرّر ہو جو موت کے بعد ہی انسانوں کے افعال۔ اعمال۔ اور خیالات کا امتحان کرتا ہو۔ یا جس نے تمام دنیا داروں کے اعمال ناموں کے فیصلہ کرنے کے واسطے کوئی خاص دن مقرر کر رکھا ہو۔ قدرت میں نہ کوئی ایسا قانون ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں ہر ایک معاملہ کا فیصلہ دست بدست ہوتا ہے۔ اِس ہاتھ دے۔ اُس ہاتھ لے۔ سودا نقد بہ نقد ہے۔ یہ ہی قانون کرم ہر جگہ دنیا میں مستعمل ہو رہا ہے۔ قدرت اپنے معاملات کے فیصلہ کے واسطے گواہوں۔ شاہدوں۔ اَشٹامپ وغیرہ کی محتاج نہیں ہے نہ ہی اس کے جج یا منصف حکام (دیوتاؤں) کو فرصت کی ضرورت ہے۔ قانونِ عدل دونوں جہان میں یکسان عمل کرتا ہے۔ زندگی اور موت کے دونوں طبقات ہستی میں ہم یکساں طریق سے اپنے اعمال کی سزا اور جزا پاتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ہم مرنے کے بعد ہی اپنے اعمال کی سزا پاویں گے اور حالت زندگی میں اپنے اسباب دنیوی کی بدولت قدرت کی آنکھوں پر دھول ڈال سکیں گے*

قانون عدل کا عمل

اور اس کے منتظم دیوتاؤں کے غضب سے محفوظ

رہیں گے۔ بلکہ دونوں جہان میں ایک ہی قانون حکمران ہے۔ ہر ایک فعل کی سزا اور جزا اس سے اسی طرح وابستہ ہے۔ جس طرح آگ کے ساتھ حرارت یا پانی کے ساتھ رطوبت وابستہ ہے۔ یہی سلسلہ علت و معلول ہر ایک عمل میں اپنا ظہور دکھلاتا ہے +

ہر ایک جرم یا گناہ کے خیال کے ساتھ ہی انسان کے دل کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہر ایک گناہ سے پہلے ضمیر کُشی کرنی پڑتی ہے۔ اپنے اندر آتما کی باریک آواز کو کچلنا پڑتا ہے۔ دوسروں کو آزار دینے سے پہلے اپنے دل کو آزار دینا پڑتا ہے۔ دوسروں کو ستانے سے پہلے اپنے آپ کو ستانا پڑتا ہے۔ اس کے بدون دوسروں کو دُکھ دینا ہی ناممکن ہے۔ چونکہ گناہ کا خیال اول ہی اول دل پر اپنا اثر جماتا ہے۔ اسواسطے سزا کا آغاز بھی دل سے ہوتا ہے۔ یہ افسوس ہے۔ کہ دنیا دار دل کی غلاظت یا مصیبت کو سزا ہی نہیں خیال کرتے۔ وہ ہر ایک گناہ کی سزا زر نقد کمی اور ہر ایک نیکی کی جزا زر نقد کی زیادتی ہی سمجھتے ہیں۔ مگر قدرت کے قانونِ عدل میں انسانی حماقت کو کوئی دخل نہیں ہے +

(۳) یاد رکھو۔ یاپاک۔ بے رحم دل۔ اس قدرت میں سب سے بڑا بد قسمت ہے۔ وہ اپنی غلاظت اور بے رحمی کے سبب سے اس نعمت سے محروم

ہو رہا ہے جو ہر ایک انسان کا پیدایش سے ہی ورثہ ہے۔ وہ اپنی تاریکی کے باعث اس نورِ زندگی سے بے بہرہ بن رہا ہے۔ جس کی روشنی سے ہی انسان کو حیوان سے تمیز کرتے ہیں۔ موجودہ علمِ سائنس ابھی تک اس علم سے بہت تھوڑا واقف بنا ہے کہ انسان کی تمام بیماریوں کا آغاز دل سے ہی ہوتا ہے۔ ناپاک۔ بے رحم دل کبھی صحت آور نہیں رہ سکتا۔ اس جہان میں جتنی امراض اس وقت موجود ہیں یا جو پہلے ظاہر ہو چکی ہیں یا آیندہ ظاہر ہونگی - ان سب کا منبع انسانی دل ہی ہے۔ "ہر ایک بیماری بد جذبات سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک جرم کا اصلی مرکز انسان کا اپنا دل ہی ہے۔ آیندہ ایسا زمانہ آئیگا۔ جبکہ حکیم کا کام جسم کا علاج کرنا نہیں رہیگا بلکہ وہ دل کا علاج کریگا۔ اور دل خود بخود جسم کا علاج کریگا"۔ (ٹراین)

قانونِ صحت

صحت کی صحیح حالت آتما کی تابعداری ہے دل میں بیماری کا آغاز اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جبکہ کوئی جذبہ ہمارے خیال یا عمل پر آزادانہ حکومت کا دعویدار بنتا ہے جو چیز دل میں غلاظت پیدا کرتی ہے۔ وہ ضرور جسم پر بھی اپنا اثر دکھلاتی ہے یوں ہی ہم شہوت۔ حرص۔ غصہ۔ غضب۔ شرارت یا خوف وغیرہ کسی جذبہ کے ماتحت بنتے ہیں ہمارے جسم پر ان کا بدیہی اثر اپنا ظہور دکھلاتا ہے۔ آتما کسی عضو کا نام نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی خاص عضو میں وہ مقیم ہے۔ بلکہ وہ ایسی زندگی کا مرکز

ہے جو تمام قواؤں کو طاقت بخشتی اور ان کے مقررہ فرائض تبلاتی رہتی ہے۔ (ایڈورڈ کار پنٹر) +

صحت قدرت کی زندگی ہے۔ صحت انسانی ہستی کا قانون ہے۔ اسی پر تمام جانداروں کی زیست کا دار و مدار ہے۔ چونکہ جسم دل کے ہمیشہ تابع ہے۔ اس لئے دل کی غلاظت جسم پر اپنا پورا اثر دکھلاتی ہے۔ ہر ایک گناہ در اصل قانون صداقت کی خلاف ورزی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ ہمارے دل کی صحت کو معدوم کرتا ہے وہ ہمارے قوائے زندگی سے اُس (Harmony) کو ناش کر دیتا ہے۔ جس کی موجودگی پر ہی ہماری تمام راحت کا دار و مدار ہے۔ اسی واسطے گناہگار ہمیشہ کسی نہ کسی کے ایسے عذاب میں گرفتار رہتے ہیں۔ جو اُن کے دنیاوی سامانوں کی تمام لذّت کو تلخ کر دیتا ہے اُن کی راحت کو غم اور فکر مندی سے بدل دیتا ہے۔ ان کی خوشی کو مصیبت اور بے چینی سے تبدیل کر دیتا ہے ہر ایک چیز سے اُن کو مایوسی اور خوف کی تصویر دکھلائی دیتی ہے۔ قدرت یکے بعد دیگرے ایسے حالات پیدا کرنے میں ہمیشہ مستعد رہتی ہے۔ جس سے ہر ایک گناہ گار اپنے امن زیست کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھتا ہے۔ یہی قانون عدل ہے +

(۴) اس جہان میں پاپ کبھی نہیں پھلتا ہے۔

قانون صداقت کی پیروی ہی ہمارے اقبال کا موجب ہے

گناہ گار ہمیشہ ہی خوار اور رسوا ہوتے ہیں قدرت میں ان کے واسطے کہیں بھی پناہ نہیں ملتی ہے۔ یہ بالکل لغو ہے کہ قدرت کسی بدی کی پرورش کرنی گوارا کرے۔ یہ اپنے خطا کار کو دونو جہان میں نہیں چھوڑتی۔ وہ لوگ سراسر غافل ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اس جہان میں جھوٹ کے بغیر کام چل ہی نہیں سکتا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ناپاک زندگی سے اس دنیا کو ایسا ہی بنا رکھا ہے۔ ورنہ قدرت میں نہ کوئی ایسا قاعدہ ہے۔ اور نہ ہی ایسا اصول ہے۔ ہم خود جھوٹ۔ فریب ریا کاری کی پرورش کرتے رہتے ہیں۔ صداقت کے فراخ میدان میں داخل ہونے سے ڈرتے ہوئے مکر و فریب کی تاریک اور سیاہ غاروں میں اپنا منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ ہم خود بزدل ہیں اور اپنی بزدلی کے باعث دنیا سے اپنا اصلی پہلو پوشیدہ رکھنے کی ہمیشہ سعی میں رہتے ہیں۔ اپنی طاقت میں ہم یہ زعم رکھتے ہیں کہ ہم قدرت کو دھوکا دے سکتے ہیں مگر افسوس۔ ہم یہ نہیں جانتے ہیں۔ کہ قدرت ہرگز ہرگز تاریکی یا بزدلی کی طرف دار نہیں ہے۔ اس کی صداقت کا

آفتاب ہر جگہ روشن ہے۔ جس کی روشنی کی کرنیں سیاہ سے سیاہ اور تاریک سے تاریک غار کا پتہ لگا دیتی ہیں ہر ایک سازش۔ فریب۔ ریاکاری کا بھید آخر کھل جاتا ہے۔" ہر ایک گناہ کے کرنے پر زمین شیشہ کی بن جاتی ہے۔ مجرم یا گنہگار اپنے جرم یا گناہ کو چھپاتا پھرتا ہے۔ مگر اس وسیع زمین پر ایسا کوئی غار نہیں ہے جہاں وہ چھپ سکے"۔ (ایمرسن)

ہمیں بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک شخص کو دنیا میں اپنے مشنِ زندگی کے پورا کرنے میں اس قدر کامیابی ملتی ہے۔ جس قدر اس کے عمل اور فعل میں صداقت کا عنصر موجود ہے۔ ہر ایک تحریک اسی قدر کامیاب ہوتی ہے۔ جتنا اس میں صداقت کا بھاؤ ہے آغاز آفرینش سے آج تک کوئی بشر خواہ کیسا ہی عقلمند ہو۔ خالص شرارت یا بد دیانتی سے کامیاب نہیں ہو سکا۔ بد معاش اور نیک معاش دونوں صداقت سے کام لیتے ہیں۔ پہلا یعنے بد معاش تو صداقت کا نام لے کر دوسروں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اس سے اپنی مطلب براری کرتا ہے۔ اور دوسرا یعنے نیک معاش حقیقت میں ہی صداقت سے کام لیتا ہے۔ اور اپنا اجر پاتا ہے۔ ہر ایک فریبی یا ریاکار اپنے عارضی فائدہ کو ہی دیکھتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا۔ کہ وہ

اپنے اس بد عمل سے اپنے واسطے ہی نقصان کا موجب بن رہا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کو دہوکا دے سکے گا بلکہ حقیقت کے افشا ہونے پر آئندہ اُس کو اپنی دوکان بند کرنی پڑے گی +

قانون ہم وزنی قدرت میں

(۵) اس کائنات میں ہر جگہ ہم وزنی کا قانون موجود ہے۔ یہ اس ہم وزنی کی ہی بدولت ہے۔ کہ قدرت اپنے تمام انتظام کو چلا رہی ہے۔ قدرت کا ہر ایک عمل اس ہم وزنی کا مظہر ہے۔ زمین سورج کو کشش کرتی ہے۔ اور سورج زمین کو کشش کرتا ہے۔ دونوں کی باہمی کشش سے زمین اور آسمان قائم ہیں ورنہ معلوم نہیں آج تک ہماری زمین اس طبقہ ہستی سے نکل کر کہاں غائب ہوگئی ہوتی۔ اور تمام جہان کا دیر سے خاتمہ ہوگیا ہوتا۔ قدرت جن طاقتوں کی ہم وزنی سے یہ انتظام چلا رہی ہے سائنس دان اپنی زبان میں ان کو۔ (Centrifugal and centripetal forces) پکارتے ہیں۔ اسی قسم کی قوتیں دیگر طبقات ہستی میں اپنا اثر دکھلا رہی ہیں۔ حیوانات اور نباتات کو ملاحظہ کریں ایک محکمہ دوسرے محکمہ کو ہم وزن کر رہا ہے ہماری خارج کردہ کاربانک ایسڈ گاس کو نباتات ہضم کرتی ہے۔ اور اس سے اپنی پرورش پاتی ہے۔ حیوانات

کے فضلہ سے کھیتوں کا کھاد بنتا ہے اور انسانوں کے واسطے غذا۔ سبزی۔ ترکاری۔ اناج طیار کرتا ہے۔ نباتات کی خارج کردہ آکسیجن کو ہم کھاتے ہیں۔ اور اسی گاس کی بدولت اپنی زندگی کو قائم رکھتے ہیں۔ غرضیکہ ایک طبقہ ہستی دوسرے طبقہ ہستی کا پورے انتظام اور قوت سے مدد گار بن رہا ہے۔ گویا ایک دوسرے کو ہم وزن کر رہا ہے۔ اب نباتات سے معدنیات کی جانب نظر ڈالیں۔ درختوں کے خارج کردہ مادہ سے پتھر کا کوئلہ اور دیگر دھاتیں زمین کے اندر طیار ہوتی رہتی ہیں۔ اور معدنیات اس کے معاوضہ میں نباتات کی زندگی۔ غذا اور ہستی کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔ جبکہ نباتات انہی معدنیات کو حیوانی غذا میں تبدیل کرتی رہتی ہے ÷

اسی سلسلہ قانون کو ہم تمام قدرت میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ دو قسم کی قوتیں ہر جگہ برابر اپنے اپنے زور سے اس سلسلہ ہستی کو چلا رہی ہیں۔ ایک کا نام ناش کرنے والی یا تباہی پیدا کرنے والی طاقت ہے۔ اس کا کام قدرت میں ہر ایک قسم کی تباہی مصیبت آفت۔ عذاب۔ موت وغیرہ پیدا کرنا ہے۔ دوسری قوت کا نام آرام یا۔ امن پیدا کرنے والی طاقت ہے۔ اس کا کام دنیا میں ہر ایک قسم کی راحت آرام۔ صحت پیدا کرنا ہے۔ پہلی قسم کی طاقت کو انگریزی زبان میں

Destructive force. اور دوسری قسم کی طاقت کو Conctructive force. کہتے ہیں۔ اِن دونوں قوتوں کی ہم وزنی سے ہی قدرت کا انتظام چل رہا ہے۔ دونوں کی اس قدرت میں یکساں ضرورت ہے۔ دونوں کا قیام اس جہان کی ہستی۔ موت اور خوبصورتی کے واسطے لازمی ہے۔ پس اس قانون ہم وزنی کی بدولت ہے کہ سرشٹی کا قیام ممکن ہے +

قانون ہم وزنی انسانی دنیا میں

(٦) اب اسی قانون کو انسانی دنیا میں ملاحظہ کریں۔ قدرت میں ہر ایک چیز کا جوڑا ہے۔ اور اس کی باہمی ہم وزنی سے ہی سرشٹی کا قیام ہے "ہر ایک فعل کا انفعال ہے۔ یہ تمام قدرت میں موجود ہے۔ تاریکی میں اور روشنی میں۔ سردی میں اور گرمی میں۔ پانی کی لہر کے بڑھنے اور گھٹنے میں۔ مرد اور عورت میں۔ جانداروں اور نباتات کی باہمی زندگی کے سامان میں۔ جانداروں کے اجسام میں رطوبت کی مقدار اور اُس کی عمدگی کی مساوات میں۔ بجلی میں اور طاقت برقی میں کیمیائی قوت کے ظہورات میں۔ مثلاً سوئی کے ایک سرے پر ایک قسم کی مقناطیسی قوت کو لگاؤ دوسرے سرے پر دوسری قسم کی مقناطیسی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر جنوب کی سمت کشش کرتی ہے تو شمال کی سمت پرے ہٹتی ہے۔ تمام قدرت میں

یہ ہی سلسلہ موجود ہے۔ چنانچہ ہر ایک مثبت کی منفی ہے
مادہ اور روح۔ مرد اور عورت اندر اور باہر اوپر اور نیچے
متحرک اور ساکن۔ ہاں اور نہ۔ علم اجسام کے جاننے والے
ہم کو بتلاتے ہیں کہ اگر قدرت جانداروں کے اجسام کی
بناوٹ میں ایک حصّہ کو بڑھا دیتی ہے تو دوسرے حصّہ
کو کم کر دیتی ہے۔ اگر سر اور گردن بڑھ جاتے ہیں تو سونڈ
اور دیگر حصّے کم کئے جاتے ہیں" (ایمرسن)
یہی قانون دنیاوی معاملات میں اپنا ظہور دکھلاتا ہے
اور حقیقت میں تمام انتظام سوسائٹی کا موجب ہے۔
دنیا میں کوئی بشر اس کے اثر سے محفوظ نہیں ہے
ہر ایک خوبی کے ساتھ کمی یا نقص موجود ہے۔ ہر ایک
نقص کے ساتھ کچھ خوبی یا عمدگی ملحق ہے۔ ہر ایک
بدی سے کچھ نہ کچھ بھلائی کا جُز بھی نکل آتا ہے۔
اس واسطے ہر ایک قوت جو ہمارے آرام کا موجب
ہے۔ عذاب کا بھی سامان ساتھ رکھتی ہے۔ ہر ایک چیز
کے واسطے جو ہم نے ضائع کر دی ہے۔ ہم نے کچھ
حاصل بھی کیا ہے۔ ہر ایک نقصان کچھ فائدہ بھی
ساتھ رکھتا ہے۔ ہر ایک راحت کچھ رنج بھی ساتھ رکھتی
ہے۔ اگر دولت بڑھ جاتی ہے تو اس کے استعمال کرنے
والے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ قدرت ہر جگہ ٹھیکہ داری کے
مخالف ہے۔ اور اس لئے کسی کو مستثنیٰ نہیں۔

بنانا چاہتی۔ دنیا میں ہمیشہ ایسی کوئی چیز موجود رہتی ہے جو دولت مند۔ خوش قسمت۔ طاقت ور انسان کو دوسروں کے ساتھ برابر کر دیتی ہے۔ ویسے ہی ہر ایک بدی کے واسطے روکاوٹیں موجود ہیں۔ اور ظاہر ہو جاتی ہیں (ایمرسن) قدرت میں ہر ایک چیز۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مقام پر استادہ ہے۔ سیاروں کا باہمی فاصلہ متعین ہے اسی انتظام کی بدولت ہی ان کے درمیان قانونِ کشش کام کر سکتا ہے۔ عین اسی طرح دوربین میں شیشے تب ہی عمدگی سے اپنا کام کر سکتے ہیں۔ جبکہ ان کا درمیانی فاصلہ ایک معین حدود میں قائم رکھا جاوے اسی قانون کو انسانی زندگی میں مستعمل کرو۔ جب ہم اپنے دوستوں کے بہت نزدیک آجاتے ہیں یا ان سے بہت دور چلے جاتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتے ہیں۔ روحانی معاملات میں متعین فاصلہ کا قائم رکھنا ویسے ہی ضروری ہے۔ جیسے کہ نظام شمسی میں لازمی ہے۔ جب لوگ بہت نزدیک آجاتے ہیں یا بہت دور چلے جاتے ہیں تو دکھ شروع ہو جاتا ہے۔ محبت اتحاد۔ دوستی۔ لوگوں سے معین فاصلہ قائم رکھنے پر ہی اپنا کام کر سکتی ہے ؎ (سوامی رام)

قانون عدل انسانی اخلاق میں

(۷) دنیا کا تمام دار ومدار قانون عدل کے

قیام پر ہی ہے۔ ہر ایک حالت معاملہ کی نیکی و بدی کے امتحان کا اعلےٰ معیار یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس حالت میں لاکر خود محسوس کریں کہ آیا وہ ہمارے واسطے آرام کا موجب بنتی ہے یا کہ عذاب پیدا کرتی ہے۔ یہ سچا مسئلہ ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے واسطے پسند نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کے واسطے بھی پسند نہ کرے۔ یعنے جس چیز کو وہ اپنے واسطے موجب عذاب خیال کرتا ہے۔ اس کو دوسروں کے واسطے بھی مباح نہ سمجھے۔ اگر دنیادار اس مسئلہ پر تھوڑا سا بھی عمل کر سکیں تو اس جہان کا بہت سا عذاب رفع ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح کا یہ پاک کلام "کہ تم دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ کہ وہ تمہارے ساتھ کریں" قانون عدل کا پہلا سبق ہے۔ یہ تعجب ہے کہ لوگ جس مصیبت یا آفت کو اپنے اوپر نازل ہوتے دیکھ کر ہزار واویلا کرتے ہیں۔ اور اس سے بچنے کے واسطے ہزاروں اقسام کی تدابیر اور جوڑ توڑ کرتے رہتے ہیں۔ اس مصیبت میں دوسروں کو مبتلا کرنا کیوں گوارا کرتے ہیں۔ مگر عین یہ ہی صورت معاملہ ہے۔ جو کہ ہم دنیا میں چاروں طرف ملاحظہ کرتے ہیں +

یہ افسوس ہے کہ اس قسم کے لوگ قدرت کے اس راز مخفی سے بالکل بے خبر ہیں۔ کہ اپنے بچاؤ کا سب سے

بہتر اور سلامت راستہ محض دوسروں کو مصیبت سے محفوظ رکھنا ہے۔ جو شخص اپنے آرام کی خاطر دوسروں کو دُکھ دیتا ہے وہ بخوبی یاد رکھے کہ وہ خود بھی آرام حاصل نہیں کر سکے گا۔ قدرت اس کے آرام کے سامانوں کو ملیا میٹ کرنے میں جو تدابیر نکالتی ہے۔ وہ ان سے بالکل بے خبر ہے۔ وہ اس بات کو دل میں جانشین کرلے کہ اس کی تمام طاقت قدرت کے سامنے ہیچ ہے۔ اس کی تمام ہنر مندی ان دیوتاؤں کی عقلمندی کے مقابلہ میں بالکل ناچیز ہے۔ جن کے ہاتھ میں ہماری تقدیر کا انتظام ہے۔ قدرت اپنی تمام طاقتوں کو اس کے عیش کے منغص کرنے میں مصروف کرتی رہے گی اور اس کے اس آرام کو تلف کرتی رہے گی۔ جو اس نے دوسروں کو ستا کر حاصل کیا ہے۔ اور جب تک ہر ایک دل آزاری کا معاوضہ سود در سود سے نہیں لے لیگی۔ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ یہ ہی قانون عدل ہے۔ جس کی تصدیق ہم ہر ایک مذہب کے پاکیزہ اور متبرک کلام میں پاتے ہیں۔ شاعر سچ فرماتا ہے ؎

"گندم از گندم بروید جو زجو۔ از مکافات عمل غافل مشو"

دوسروں کو آزار دینے کا مزاج جب کسی انسان کی عادت بن جاتی ہے۔ تو وہ دوسروں کے عذاب کو عذاب ہی نہیں محسوس کرتا۔ دوسروں کی تکلیف کو تکلیف ہی

نہیں سمجھتا۔ خواہ وہ عذاب یا تکلیف اس کی اپنی فرضی مصیبت سے بدرجہا زیادہ ہو۔ وہی شخص اور اس کا دل جو اپنی تھوڑی سی تکلیف پر شور و شر مچاتا ہے۔ دوسروں کی سینکڑوں گنا زیادہ مصیبت پر ایک بار آہ سرد نہیں بھر سکتا۔ جب یہ عادت بار بار عمل سے پختہ ہو جاتی ہے تو دل سخت بے رحم ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو عذاب دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ دوسروں کی تکلیف میں اپنی راحت تلاش کرتا ہے۔ بلکہ فخر کرتا ہے آہا ہا۔ دیکھا کیسا پچھاڑا یاد رکھے گا!! مگر افسوس وہ یہ نہیں جانتا کہ اس قدرت میں کسی دوسری طاقت کی بھی حکومت ہے جو مظلوم کی حفاظت کرنا اپنا فرض خیال کرتی ہے اور جو اس حفاظت کی خاطر ایسے راستے نکالتی ہے۔ جن پر وہ قادر نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ مظلوم کا بچاؤ محض ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات وہ اپنی نیک نیتی پاکیزہ روش۔ شرافت کی بدولت ایک تعجب خیز طریق سے بچ نکلتا ہے۔ مگر اس شخص کا بچاؤ بالکل ناممکن ہے۔ جس نے ایک معصوم کو بلا قصور عذاب میں ڈالا ہے۔ اور مالک قدرت کی اس پاک زمین پر تمام دیوتاؤں کے روبرو اس کے قانون عدل پر لات ماری ہے۔ ایسا شخص دونوں جہان میں پناہ نہیں حاصل کر سکے گا اور اور اس کو اپنے جبر و تشدد کا نتیجہ ضرور مل کر رہے گا +

यदन्यैर्विहितं नेच्छेदात्मनः कर्म पूरुषः
न तत्परेषु कुर्वीत जानन्नप्रियमात्मना ,
यद्यदात्मनि चेच्छेत् तत्परस्यापि चिन्तयेत्॥

مہابھارت

انسان کو لازم ہے۔کہ دوسروں کی طرف ایسا فعل کبھی نہ کرے جوکہ وہ نہیں پسند کرتا کہ دوسرے اس کی طرف کریں۔کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ فعل اس کے واسطے عذاب کا باعث ہوگا +

جوکچھ انسان اپنے واسطے مبارک سمجھتا ہے۔ وہ ہی دوسروں کے واسطے مبارک خیال کرے +

ہر ایک حق دار کو اِسکا حق مل کر رہتا ہے

(۸) قدرت ہر ایک شخص کو اس کا حق عطا کرتی ہے جس چیز کا استحقاق ایک شخص دربارِ قدرت سے حاصِل کرچکا ہے۔اس سے کوئی انسان اس کو محروم نہیں کر سکتا۔ قدرت ایسے حالات پیدا کر دے گی جن میں اس کا حق اس کو حاصِل ہو جاوے گا۔ بالفرض اگر کوئی انسان جبر یا تشدّد سے اس کو اس حق سے محروم رکھنا چاہے تو وہ یاد رکھے کہ اگر وہ ایک طریق سے اس کا حق بند کرے گا تو قدرت دوسرا دروازہ کھول دے گی۔

اور وہ شخص تھوڑی سی کوشش سے اس نئی تحریک میں
ایسا کامیاب ہوگا۔ کہ دنیا دیکھ کر حیران ہوگی۔ اور اُس
کی کامیابی کو معجزہ خیال کرے گی۔ ایسے واقعات دنیا
میں لاکھوں ہر روز ہوتے ہیں۔ مگر تاہم کم عقل۔ نا عاقبت
اندیش لوگ مالک قدرت کی حکمت سے بالکل ناواقف رہتے
ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ تمام معجزہ خیز کامیابی دراصل
اس حق تلفی کا سود در سود سے معاوضہ ہے۔ جو اس شخص
کو اس کے ایک بھائی حضرت انسان کے ہاتھ سے برداشت
کرنی پڑی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اس شخص کو نئی تحریک
کا راستہ صاف کرنے میں کچھ وقت لگ جاوے یا کسی
وقت کا مقابلہ ہی کرنا پڑے۔ مگر یہ تمام تکالیف انکے
مقابلہ میں ہیچ ہونگی جو اُس کو اپنی پہلی تحریک میں اپنا
حق قائم کرنے کے واسطے برداشت کرنی پڑی تھیں۔

جب کوئی شخص کسی انسان کی حق تلفی کرتا ہے یا
اس کو اس کی محنت کے معاوضہ سے محروم کرتا ہے یا
اس کے استحقاق کو جبراً چھین لیتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ وہ
کتنی بڑی ذمہ واری اپنے سر پر لیتا ہے۔ قدرت ایسے
عمل کو ہرگز روا نہیں رکھ سکتی۔ اور یہ حق اُس کو
ادا کرنا پڑے گا۔ ہر ایک شخص اس مسئلہ کو ذہن
نشین کرلے کہ جس چیز کا حق اُس نے محنت سے۔ دیانتداری
نیک نیتی سے حاصل نہیں کیا ہے۔ اس پر قبضہ قائم

رکھنا بھی اس کا استحقاق نہیں ہے۔ اگر وہ قدرت سے کوئی
چیز بلا دیانت داری حاصل کرنے کی سعی کرے گا۔ تو وہ
اس کے واسطے آرام کا موجب نہیں ہوگی۔ اور جب تک
اس کے پاس رہے گی۔ نت نئی تکالیف (جن کا اس کو
حاصل کرتے وقت خواب و خیال بھی نہیں تھا) پیدا
کرتی رہیگی۔ اور جب اس کے ہاتھ سے ضائع ہو جاوے گی
اس کو زیادہ تر مصیبت میں چھوڑ کر جاوے گی۔ ہم قدرت
کو کبھی دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور نہ
ہی یہ اپنے قوانین پر مستخر برداشت کر سکتی ہے۔ یہ اپنے
قانون کے پورا کرنے میں ایسے طریق نکال لیتی ہے۔ جن
کا ہم کو خواب میں بھی علم نہیں ہوتا۔ اس میں آرام کی
نیند محض اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس کے مالک
کے قوانین کی دل سے پیروی کرتا ہے۔ قدرت کسی کا اُدھار
نہیں رکھتی۔ ایس اُدھار یا قرض (Credit system)
کا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ یہ ہر ایک عمل کا نتیجہ دست
بدست دیتی ہے۔ ہر ایک معاملہ کو فوراً طے کر دیتی ہے
جس کا جو حق ہے اس کو مل کر رہے گا۔ خواہ اس کے
راستہ میں لاکھوں روکاوٹیں موجود ہوں۔ وہ تمام روکاوٹیں
اس کے راستہ سے ہٹائی جاویں گیں اس کو موقع دیا
جاوے گا۔ کہ وہ اپنی قابلیت کا فائدہ اٹھا سکے۔ انگریزی
زبان میں یہ مثل مشہور ہے۔

A Stone that is worth the wall. shall not be left in the street.

ایکؔ سنگریزہ جو دیوار کے قابل ہے۔ سڑک پر نہیں چھوڑا جاویگا۔" قدرت ایسے اوقات اور موقعے بہم پہنچاتی رہتی ہے۔ جن میں اس کی استعداد یا لیاقت اپنی داد حاصل کر سکے۔ دینا میں ایسے ارواح ہر ایک زمانہ میں ہوتے ہیں۔ جو اس کی قابلیّت کو سمجھ جاتے ہیں۔ اور اس کی داد رسی کرنے میں اپنی خوشی خیال کرتے ہیں۔ اگر کسی قدر عرصہ کے واسطے اس کو کوئی تکلیف بھی ہو یا لوگوں کی ناقدر شناسی سے آفت کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ وہ اطمینان رکھے کہ قدرت کی منتظم طاقتیں اس کی امداد پر آمادہ ہیں اور اس کا حق اس کو دلوانے میں ساعی ہیں۔ وہ ایسے حالات پیدا کر دینگی جن میں اس کی قابلیّت اس کے واسطے آرام کا موجب بن سکے گی ؎

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہم قدرت کے دربار سے اپنے حق سے کم کبھی حاصل نہیں کرتے ہیں۔ البتہ زیادہ کا حصول مالک کے رحم میں داخل ہے۔ بلکہ بسا اوقات جو کچھ ہم کو ملتا ہے۔ ہماری محنت کا سود در سود سے معاوضہ ہوتا ہے۔ قدرت ہماری نیک خواہشات۔ نیک اعمال کا صلہ ہمیشہ ہماری امیدوں سے بدرجہا بڑھکر دیتی ہے۔ اس کے تمام فیض ہر خاص و عام کے لئے

کشادہ ہیں۔ بشرطیکہ حضرت انسان نیک نیتی سے اور پاکیزگی سے ان سے فائدہ حاصِل کرنا چاہے +

انسانی خود غرضی تمام عذاب کا موجب ہے

ہمیں دنیا میں کوئی حق حاصِل نہیں ہے۔ کہ ہم دوسروں کے واسطے موجب تکلیف کا بنیں۔ یہ انسانی خود غرضی ہے۔ جوکہ حضرت انسان کی عقل سلیم پر پردہ ڈالتی ہے اور اس کو یہ سکھلاتی ہے کہ وہ اپنا فائدہ دوسروں کے نقصان کرنے سے حاصِل کر سکے گا۔ مگر یہ سراسر خام خیالی ہے۔ قدرت اس قسم کے فائدہ کو آرام سے نہیں بھوگنے دیگی +

قدرت وقتاً فوقتاً ایسے حالات پیدا کرتی رہتی ہے۔ جن میں خود غرض انسان اپنی پاداش حاصِل کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے اوپر مصیبتوں کا انبوہ ہر طرف سے آتا دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ ان کا انتظام کون کر رہا ہے اور کیوں اور کس طرح یہ لاحق ہو رہی ہیں۔ مگر وہ اس معمہ سے بالکل بے خبر ہے کہ جن طاقتوں کے ہاتھ میں اس کی تقدیر کا انتظام ہے وہ اس سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ ان کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے۔ کہ اس پاک زمین کو حضرت انسان اپنی نفس پروری۔ اندھی خود غرضی کی شکار گاہ بنادے۔ یہ افسوس ہے کہ لوگ

نہیں جان سکتے ہیں - کہ ناپاک دل کو سزا خود بخود کس طرح ملتی رہتی ہے - ہر ایک سامان زندگی جس سے وہ آرام کی توقع رکھتا ہے - کس طرح اس کے واسطے تکلیف کا موجب بنتا جاتا ہے - ہر ایک دوست جس سے وہ وفا کی امید رکھتا ہے - کس طرح اس کو دغا دیتا ہے - جبکہ اس کا اپنا دماغ طرح طرح کی ہیبت ناک شکلیں خود بخود گھڑتا رہتا ہے - جو اس کے اندرونی امن کو برباد کرتی رہتی ہیں - شریان تلسی داس جی واقعی ایک اعلے صداقت کا اظہار ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں ؎

> جو سکھ چاہے اپنا سکھ اوروں کو دے
> تلسی یا ہی دیہہ میں ان چینے پھل لے

جو دوسروں کو سکھ دیتا ہے - وہ ہمیشہ اپنی امید سے بدرجہا بڑھکر آرام پاتا ہے ۞

قانون صداقت کی لاپرواہی کا نتیجہ

(۱۰) دنیا دار اس علم سے بالکل بے خبر ہیں کہ اس زندگی میں راز کامیابی کیا ہے - وہ دولت یا اعلے عہدہ کو حاصل کر لینا ہی کامیابی سمجھتے ہیں - خواہ وہ دولت یا عہدہ کتنی بڑی قربانی ضمیر پر حاصل ہو - وہ اس امر حقیقی سے بالکل لاپرواہ ہیں کہ اس قدرت

میں حقیقی کامیابی محض ان پاک آتماؤں کا حق ہے جو
جو اپنے دل سے ہر ایک قسم کی کدورت صاف
کر چکے ہیں۔ یہ ایسے آتماؤں کے خیالات ہی ہیں۔
جو دنیا داروں کے واسطے ہمیشہ موجب شانتی اور روشنی
کا ہوتے ہیں۔ اور یہ ہی لوگ ہیں جن سے نیک سبھاؤ
سے بڑے بڑے گمراہ سیدھے راستہ پر آجاتے ہیں
مادی علوم کی غضبناک ترقی نے موجودہ زمانہ کے عالموں
کی آنکھوں کو ایسا چکاچوند کر دیا ہے کہ وہ اس قدرت
کے ہر ایک راز کو مادی علم سے ہی حل کرنا چاہتے ہیں
وہ اس حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں کہ جو طاقتیں اس
قدرت پر حکومت کر رہی ہیں۔ وہ خالص طور پر روحانی
ہیں۔ جبکہ تمام قدرت روح اعظم یعنے پرماتما کا محض تجلی
ہے۔ اسی علم کی ناواقفیت سے دنیا اس وقت جہنم
کا روپ بن رہی ہے۔ انسانی زندگی سے راحت ناپید
ہو رہی ہے۔ نت نئے امراض انسانی جانوں کو بے وقت
موت کے گھاٹ اتار رہی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس آرام
کے چند سامان موجود بھی ہیں۔ وہ ان سامانوں سے آرام
نہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہر روز انہی سامانوں کی بدولت
اپنے آپ کو نئی مصیبت یا قضیئے میں مبتلا پاتے ہیں۔ جبقدر
حکمت عملی سے وہ ان جھگڑوں قضیوں سے بچنے کی سعی
کرتے ہیں۔ اسی نسبت سے اُن کی تعداد اور بھی اُلجھا لیا

ہوتی جاتی ہے۔ غرضیکہ ایک پاپ لاکھوں مصیبتوں کا موجب بنتا ہے اور آخر سوسائٹی کا کرہ ہوائی اس قدر گندہ ہو جاتا ہے کہ کسی نیک دل انسان کے لئے وہاں سانس لینا نا ممکن بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ قدرت اپنی تباہ کن طاقتوں کا استعمال کرے۔ اور ایسے سامان پیدا کر دے جو عوام الناس کے واسطے موجبِ زحمت ہوں۔ یہ انہی اسباب کی وجہ ہے کہ ہم کو اس زمانہ میں ایسی خوفناک آفتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ جن کے نام لینے سے دل کانپتا ہے۔ کیا موجودہ زمانہ میں امراض کی زیادتی۔ جرائم کی افراط۔ زنا کاری۔ گوشت خوری۔ شراب نوشی کی بیباکانہ کثرت انہی حالات کا نتیجہ نہیں ہے۔ اور کیا انہی گناہوں کی وجہ سے نہیں ہے۔ کہ ہر ایک شخص جو اخلاقی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اپنے اخلاق کو سخت معرضِ خطر میں پاتا ہے۔ اور اپنا بچاؤ سخت مشکل سے حاصل کر سکتا ہے ؁

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے

(۱۱) دانا کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ ہمیشہ ایک بناوٹی یا فرضی بات ہوتی ہے۔ وہ محض کسی مطلب براری کی خاطر ایک انسان کی ایجاد ہوتی ہے جس کا خاتمہ بھی اُسی مطلب براری کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ مگر اس

مطلب کا حصول جس کے واسطے وہ جھوٹ ایجاد کیا گیا ہے۔ ہمیشہ مشکوک ہوا کرتا ہے۔ بسا اوقات پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ایجاد کنندہ کو اپنے مطلب کو ضائع کرنے کے سوائے اور سزا بھی بھوگنی پڑتی ہے جو عموماً اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ جب کبھی کسی خاص وجہ مثلاً فریق ثانی کی لاعلمی یا لاپرواہی سے جھوٹ کی قلعی نہیں کھلتی اور مطلب براری کا موقع مل جاتا ہے۔ تب بھی وہ مطلب براری محض عارضی ہوتی ہے۔ اس کا اثر بہت تھوڑی دیر قائم رہتا ہے اور جلدی ہی ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن میں اس کا قیام ناممکن بن جاتا ہے قدرت ہمیشہ ایسے حالات کی تاک میں رہتی ہے۔ جن سے اس جھوٹ کی قلعی کھل سکے۔ اور جب تک اس کا پردہ فاش نہیں کر دیتی ہے۔ دنیا میں امن نہیں قائم ہوتا ہر ایک جعل یا فریب کا یہی انجام ہوتا ہے۔ کاش کہ وہ لوگ جو اپنے مطلب کے حصول کی خاطر کسی ناپاک تدبیر کو عمل میں لاتے ہیں۔ قدرت کے اس قاعدہ سے واقف ہوتے اور سمجھتے کہ جیسے پانی کا نشیب سے پہاڑ پر جانا ناممکن ہے جیسے آگ کا رطوبت سے اتحاد دوستی ناممکن ہے۔ ویسے ہی کسی فرضی بناوٹ کا اس جہان میں قیام بھی ناممکن ہے

ہمارا فرض ہے کہ جس کا جو حق ہماری جانب ہے

ہم ادا کر دیں اور ادا کرتے وقت حقیقت میں نیک نیتی اور انصاف سے کام لیں۔ جو لوگ دوسروں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ یا اُن سے غاصبانہ سلوک کرتے ہیں کاشکہ وہ اس علم سے باخبر ہوتے کہ وہ اپنے اوپر کس قدر قرض کا بوجھ چڑھا رہے ہیں۔ جس سے بلا ادائیگی رہائی ناممکن ہے۔ قدرت ہر ایک معاملہ میں انصاف سے کام لیتی ہے۔ اور اس کے پاک قوانین کسی غاصب کو کبھی بھی پناہ نہیں دیتے۔ یہ ہر ایک حق دار کو اس کا حق دلوا کر دم لیتی ہے۔ ہر ایک قرض دار کو اپنا قرضہ سود در سود سے ادا کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص اپنا قرضہ نیک نیتی اور انصاف سے ادا نہیں کرتا ہے۔ وہ یاد رکھے کہ وہ قدرت کے قوانین سے کہیں بچ کر نہیں جا سکتا ہے۔ قدرت اس کو ایسے حالات میں ایسے تعلقات میں اُسی قرض خواہ سے لا وابستہ کریگی۔ جن میں جبراً قہراً وہی قرض اس کو سود در سود سے ادا کرنا پڑیگا۔ واقعی وہ لوگ مبارک ہیں جو اپنے تمام قرضوں کو اپنی موت سے پیشتر ادا کر جاتے ہیں۔ ورنہ جو حساب ہمارے ذمہ رہ جاویگا اس کا لیکھا دربار قدرت میں ادا کرنا پڑے گا۔ قدرت کے محاسب کو نہ میعاد کی پابندی ہے نہ اشٹام یا گواہ کی ضرورت ہے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی کا اس قدر قرض دینا ہے وہ تمام قرض اس کے کھاتہ میں درج موجود رہتا ہے۔ اور

قدرت ایسے حالات کی ہمیشہ تلاش میں رہتی ہے۔ جن میں وہ قرض ادا کروا دیوے۔ یہ صداقتِ حقیقی ہے۔ خواہ حضرت انسان اپنی حماقت میں اس سے انکار کرے مگر قدرت اپنے قوانین کے پورا کرنے میں انسانی حماقت کی مطلق پرواہ نہیں کرتی ہے ٭

یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ قدرت اپنے قوانین کے مطابق چلنے والے شخص کو کبھی دھوکا نہیں دیتی ہے۔ اور نہ ہی کبھی اس کا مالک پروردگارِ جہان اپنے بھگت کو فریب دیتا ہے۔ اگر کسی راست باز نیک رو انسان کو دوسرے گمراہ یا بے رحم انسان کے ہاتھ سے ناواجب تکلیف ہو۔ وہ تسلّی رکھے کہ مالک قدرت اس کا انصاف کر دے گا۔ جب کہ اس بے رحم شخص کے لئے جس نے اپنے ایک بھائی کو بلاوجہ آزار دیا ہے۔ اس جہان میں کہیں بھی پناہ کا امکان نہیں ہے۔ جب تک وہ جیتا رہے گا۔ مظلوم کی بد دعائیں اسکے امن زندگی کو ضائع کرتی رہینگی اور بعد از موت وہ اپنی بد عملی کی قرار واقعی سزا پائے گا ٭

قانون عدل کا عمل انسانی دنیا میں تمام امن کا موجب ہے

(۱۲) سوسائٹی یا مجلس کا تمام امن قانون عدل پر ہی مبنی ہے۔ انسانوں کی تمام خوشی یا راحت ان کے سامان یا مقبوضات کے یقینی قیام پر ہی منحصر ہے۔ اگر سوسائٹی کے افراد میں یہ خیال پیدا ہو جائے

کہ کسی شخص کا مال و اسباب یا اُس کی محنت کا حق محفوظ نہیں ہے تو دنیا کا امن اسی وقت مفقود ہو جائے گا اور تمام مجلس میں بربادی اور بے امنی پھیل جاوے گی اسی امن عوام الناس کے قیام کے واسطے قانون اور تعزیرات کی ضرورت ہے۔ پس ہمارا خاص فرض ہے کہ اپنے تمام مجلسی تعلقات کو صادق نیک نیتی اور انصاف سے پورا کریں ہر ایک انسان کے مال و اسباب کی ویسے ہی حفاظت کریں جیسے کہ اپنے مال کی کرتے ہیں۔ جس شخص کا جو مال ہمارے پاس امانت ہے اس کو انصاف سے واپس کر دیں۔ دوسروں کی عورتوں کی تعظیم کریں۔ اور ان کو اسی نظر سے دیکھیں جیسا کہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری عورتوں کو دیکھیں غرضیکہ اپنے تمام مجلسی تعلقات کو پورا کرتے وقت یہ دل میں وچاریں کہ اگر ہمارے ساتھ بھی سلوک کیا جائے گا جو ہم دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو ہم کو کیسا معلوم ہو گا +

یہ بھی خیال رکھیں۔ سوسائٹی میں جتنے جرائم واقع ہوتے ہیں۔ ان سب کے واسطے سوسائٹی مجرم کی نسبت زیادہ ذمہ وار ہے۔ اگرچہ انسانی قانون محض مجرم کو ہی سزا دیتا ہے۔ اور سوسائٹی کی بد حالت سے قطع نظر کرتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں پاپ پھیلاتے ہیں۔ وہ سوسائٹی کے کرہ ہوائی میں غلیظ اور گندے خیالات کو جمع کرتے رہتے

ہیں۔ پس جو آدمی اپنے اندر سے ناپاک خیالات کو نکال کر اس زمین کے کرہ ہوائی کی پاکیزگی کا ستیا ناس کرتے رہتے ہیں۔ وہ تمام ان جرائم کے واسطے فرداً فرداً ذمہ وار ہیں جن کی سزا مجموعی طور پر اُس مجرم کو ملتی ہے۔ جو ان ناپاک خیالات کا محض اپنی کمزوری طبیعت کے سبب سے شکار ہوا ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک مجرم عموماً ان حالات یا تعلقات کا شکار ہوتا ہے۔ جن میں وہ پیدا کیا گیا ہے یا رکھا گیا ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ انسانی قانون سے مجرم کو سزا تو عموماً مل جاتی ہے۔ مگر اس مجلس کے سدھار کا خیال بہت شاذ و نادر ہی کیا جاتا ہے۔ یہ اسی وقت ہے جبکہ حضرت انسان اس رمز سے باخبر بن جاتا ہے کہ ہم اس زمین پہ ایک دوسرے کے افعال کے واسطے ذمہ وار ہیں۔ اس کا یہ خیال کہ ہر ایک بشر اپنے واسطے ہی جیتا ہے یا اپنے اعمال کے واسطے ہی ذمہ وار ہے۔ دور ہوتا ہے۔ اور وہ ایک نئی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی وقت سے تمام زمین و آسمان ایک نئی رنگت میں ملبوس ہوتا ہے۔ تمام قدرت ہماری آنکھوں کے روبرو ایک نیا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ یہ اسی حالت میں ہے کہ ہم زندگی کے صحیح معنے سمجھتے ہیں اور اپنی پیدائیش کا اصلی مطلب سمجھنے کے قابل بنتے ہیں۔ یہی سچا مذہب ہے۔ اور دھرم کی اصل بنیاد ہے +

باب دوئم

فصل اوّل

عذاب زندگی

शुभाशुभफलं कर्म मनोवाग्देहसम्भवम् ।
कर्मजा गतयो नृणामुत्तमाधममध्यमाः ॥
मानसं मनसैवायमुपभुंक्ते शुभाशुभम् ।
वाचा वाचा कृतं कर्म कायेनैव तु कायिकम्
(मनु)

وہ کرم جو نیک یا بد پھل پیدا کرتا ہے۔ دل سے زبان سے یا جسم سے کیا جاتا ہے۔ انسانوں کے اعمال کا انجام (گتی) بھی تین ہی قسم کی ہوتی ہے۔ اور یہ اعلےٰ۔ ادنےٰ یا درمیانہ درجہ کی ہوتی ہے۔ انسان دل سے کئے گئے فعل کا پھل بھی دل سے ہی حاصل کرتا ہے زبان سے کئے گئے فعل کا پھل بھی زبان سے ہی پاتا ہے۔

اور جسم سے کیئے گئے فعل کا انجام جسم کے ذریعہ سے پاتا ہے (منوسمرتی)

اوہو۔ تم جو عذاب پاتے ہو۔ غور سے سنو۔ تم اپنے ہی اعمال کے باعث عذاب پاتے ہو۔ کوئی دوسرا تم کو مجبور نہیں کرتا ہے۔ کوئی دوسرا تم کو پکڑ کر زندگی۔ اور موت کے خوفناک نظاروں کی سیر نہیں کرواتا ہے"+

(دھم پدہ۔ مہاتما بدھ دیو)

قانون زندگی کی تحقیقات سے لاپرواہی

(۱) اس ریل و تار اور دخانی انجن کے زمانہ میں جبکہ دنیادار دنیاوی اشیاء کو ہی مدعا و زیست خیال کر اُن کی فراہمی میں شبانہ روز مصروف ہیں۔ جبکہ حضرت انسان کے پاک جذبات کو محض وسیلہ حصول لذات جسمانی کا بنایا جا رہا ہے۔ جبکہ تمام زن و مرد چند روزہ حیات کے واسطے سامان آسایش و آرایش بہم پہنچانے کے خیال میں لگ رہے ہیں۔ جبکہ ان سامان عیش و آرام کی زیادتی اور کمی۔ عقل مندی۔ لیاقت۔ قابلیت کا معیار شمار کیا جا رہا ہے۔ جبکہ مذہب کے پاکیزہ اصولوں پر نظر تمسخر سے دیکھا جاتا ہے۔ جبکہ زندگی کے پاک رموز کو انسان سراسر مخول ٹھٹھہ بازی میں اڑا رہے ہیں۔ زندگی کی اصلی قیمت سے ناواقف محض کھلونوں پر اپنا اموک جیون ضائع کر رہے ہیں۔ ضمیر کشی۔ دل کشی۔ روح کشی سے روپیہ پیدا کرنے کو پاپ نہیں سمجھتے ہیں۔ بے جا خوشامد

بے جا پرستش کو شرم نہیں خیال کرتے ہیں۔ جبکہ دنیا میں عظمت اور ترقی کا معیار محض دولت ہی سمجھی جا رہی ہے جبکہ مادی سائنس کے معتقد اپنے مادی منتروں کے ساتھ روحانی رموز کو توہمات قرار دے رہے ہیں۔ جبکہ انسان اپنی کوتاہ خیالی۔ کوتاہ اندیشی کے باعث روحانی رموز کی فہمیدگی کا مادہ ضائع کر چکے ہیں۔ دوسروں کی دل آزاری کو اپنی خوشی سمجھتے ہوئے اپنے فرضی توہمات کی خاطر اپنی بیش قیمت زندگی کو برباد کر رہے ہیں۔ ایسے خطرناک حالات میں دنیا کے سامنے موت اور زندگی کے سنجیدہ خیالات پر بحث کرنا۔ حضرت انسان کو اس کے پاک مشن زندگی کی بابت پیغام دینا۔ اعلےٰ تعلیم یافتہ اصحاب کے واسطے بھی وہ دل چسپی نہیں پیدا کر سکتا۔ جو عیش پرستی یا نفس پرستی کے لوازمات سے حاصل ہو سکتی ہے ؎

واقعی اس زمانہ میں بہت تھوڑے اشخاص ہیں جو اس عالم ہستی کی اصلیت سمجھ کر دنیا میں نیک اور خوبصورت خیالات کی اشاعت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں یا جو پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر یا ہاتھ میں قلم پکڑ کر کسی فرقہ انسان کی دل آزاری کرنا گناہِ کبیرہ خیال کرتے ہیں۔ جو اپنی قلم اور زبان کا بجا استعمال کرنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ یا جو دنیاوی شعبدہ بازی کے کھیل سے بے زار۔ زندگی کی مدامی دوڑ دھوپ سے لاچار۔ اس

تماشۂ ہستی کی اصلیت سمجھنے کے لئے طیار ہیں۔ ذرا دُنیا کی مختلف اقوام اور اُن کے افراد کی جانب نگاہ ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ اس جہان میں کتنے آدمی ہیں جو زندگی کی حقیقت سمجھنے کے لئے کچھ وقت نکالتے ہیں۔ ایسے کتنے ہیں جو زندگی کو سنجیدہ معمّہ خیال کرتے ہیں۔ جس کی تحقیقات کرنا ان کا سب سے اعلےٰ فرض ہے۔ ایسے کتنے ہیں جو دن رات پیٹ کے گھورکھ دھندے سے ہی نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ پولٹیکل جدو جہد میں۔ اس چند روز حیات کی خاطر عزّت و توقیر کی تحصیل میں کتنے قیمتی دماغ اپنی زندگی صرف کر ڈالتے ہیں۔ لیکن زندگی کی اصلیت کو سمجھنے کے لئے ایک لمحہ بھی دھیان نہیں دیتے۔ اقبال یا دولت کی تحصیل میں زندگی کا کتنا قیمتی اور قابل قدر حصّہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور آخر اس کے حصول پر بھی انسانی دل بے صبری یا بے قناعتی کی آگ سے جلتا رہتا ہے۔ اس جہان میں کروڑوں ہی انسان حقیقی مسرّتِ زندگی سے محروم ساری ہی عمر محض عذاب میں ہی گذار دیتے ہیں۔ پھر ایسے کتنے ہیں جو پیدائش سے زندگی کے اعلیٰ معمات کو وچارنے کے ناقابل بنائے گئے ہیں۔ یا جو حالات دنیا سے لاچار۔ عقل و فہم بڑھانے کے سامان سے ہی محروم ہیں یا جو اپنے دل و دماغ کو چراغ تعلیم

سے منور کرنے کا موقع ہی نہیں رکھتے ہیں۔ اب ان سب کو شمار کر ایسے کتنے فیصدی باقی رہ جاتے ہیں جو انسانی ہستی کے متعلق کس سنجیدہ گفتگو کو سُننے کے لئے طیار ہو سکتے ہیں۔ ان سب باتوں پر طرہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کس قدر حصہ محض ضروریاتِ ہستی کے بہم پہنچانے میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ جس سے امیر غریب۔ بادشاہ۔ رعیت۔ عالم۔ بے علم۔ کسی کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا ہے۔ کتنے گھنٹے۔ سونے۔ کھانے۔ پینے آرام کرنے عیش کرنے۔ روزی کمانے سیر کرنے یا دیگر ضروریاتِ زندگی کے سر انجام دینے میں گذر جاتے ہیں۔ ان سب باتوں کا حساب کر کے کتنا وقت ایسا باقی نکل سکتا ہے جو انسان اپنی زیست کے اعلےٰ سوالات کے حل کرنے میں لگا سکتا ہے۔

یم راج یا فرشتۂ موت کا پیغام

(۲) مگر یہ قدرت بھی عجیب ہے ادھر حضرت انسان اس قسم کی مشکلات میں مبتلا ہے جن سے مخلصی کا ذریعہ کوئی نظر نہیں آتا ہے۔ اُدھر موت کا فرشتہ اپنا پیغام لیئے ہر ایک کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ وہ اپنے پیغام کی تعمیل پر اس قدر آمادہ ہے کہ مروہ شخص کے چھوٹے بال بچوں یا اُس کی خانگی تکالیف اور اُس کے متعلقین کے رونے پیٹنے پر ذرا بھی رحم نہیں کرتا۔ دوست

آشنا۔ رشتہ دار۔ لواحق بہتیرا سر پیٹتے ہیں۔ زار زار روتے ہیں۔
مگر موت کا دیوتا ایک دم کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ سارا ٹھاٹھ
پڑا رہ جاتا ہے اور بنجارا چلتا ہوتا ہے۔ دنیا دار اس زندگی
کے معاملات کو خواہ کیسا ہی دلچسپ مضمون سمجھتے ہوں۔
لیکن موت کا فرشتہ اُن کی طرف مطلق دھیان نہیں دیتا
خواہ سکندر ہو۔ جمشید ہو۔ افراسیاب ہو۔ سیزر ہو۔ مسیح ہو
بدھ دیو ہو۔ یہ اپنا پیغام سُنا ہی دیتا ہے۔ طیاری کی
بھی فرصت نہیں دیتا۔ فوراً روح قبض کر چلتا ہوتا ہے
آہا ہا۔ کیسا خوفناک نظارہ ہے۔ کیسا اندوہناک سین
ہے۔ جنہوں نے موت کا سین نہیں دیکھا۔ انہوں نے
انسانی زندگی کا اصل فوٹو ہی نہیں دیکھا۔ ارد گرد کے
آدمیوں پر۔ دوستوں۔ رشتہ داروں پر کیسا سناٹے کا عالم
چھا جاتا ہے۔ ہمارا پیارا کہاں گیا۔ کون اُس کو لے گیا۔
ہائے اس کی ساری عمر کی کمائی ہوئی دولت حشمت
یہاں ہی پڑی رہی۔ جس چیز کو وہ ایک دم بھر
چھوڑنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ اب اُس کو ہمیشہ کے واسطے
خیرباد کہہ چلتا بنا۔ یہ کون طاقت ہے جو انسان کو اسطرح
دم بخود بنا دیتی ہے؟ کیا اس زندگی کا یہی انجام ہے؟
کیا انسانی کروفر کا یہی اجر ہے تو پھر انسان کیوں اس
دنیا میں ایک دوسرے کے گلے پر خنجر رکھ اپنا مطلب سیدھا
کرنے کی خاطر کوشش کرتے ہیں۔ انسانی حماقت پر افسوس ہے

غرضیکہ دنیا کی ناپائداری کا نقشہ ناظرین کے دل پر ایسا کھچ جاتا ہے کہ گویا عمر بھر یہ کسی کو نہیں بھولیگا۔ سب دوست۔ رشتہ دار مردہ کو اٹھاکر مرگھٹ کی طرف روانہ ہوتے ہیں جو اس سے پیار کرتے تھے۔ وہ اب اس کو آگ میں رکھ کر داہ دیتے ہیں۔ جو اس کو بغل گیر کر راحت زندگی حاصل کرتے تھے۔ اب اس کو زمین میں گاڑتے ہیں۔ جب تک مردہ ہاتھ میں ہے "رام رام ستیہ ہے" زبان سے نکلتا ہے۔ جب مردہ کو جلا کر گھر کی جانب مراجعت کرتے ہیں۔ سب اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ سب حسرت کے خیالات دل سے بدر ہوتے ہیں اور پھر وہی گورکھ دھندا اور حضرت انسان۔ آہاہا یہ کیا مایا ہے۔ وہ لوگ عجیب عقل کے مالک ہیں جو اس تماشائے ہستی کی دید سے لاپرواہ اپنا روپیہ اور عزیز عمر فرضی اور مصنوعی ناٹکوں اور کمپنیوں کے تماشوں میں صرف کرتے ہیں۔

अहन्यहनि भूतानि गच्छन्तियम-
मन्दिरम। शेषास्तु जीवतुमिच्छन्ति किमा
श्चर्यमत: परम्

(مہابھارت)

ہر روز انسان یم کے مندر کو جاتے ہیں باقی لوگ تاہم جینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر عجوبہ اور کیا ہو سکتا ہے ✣

قدرت میں عدالت عدل

(۳) مالک کائینات کو خواہ لوگ بے رحم کہیں اس کی رحمت سے منکر بن کر دہریہ بننے کا اشتہار تمام جہان میں مشتہر کر دیں۔ تمام دنیا میں یہ منادی کر دیں کہ مالک قدرت دیدہ دانستہ اپنے بندوں کو موت۔ پلیگ۔ بھونچال یا امراض شدید سے ہلاک ہوتے دیکھ کر خاموش رہتا ہے۔ یہ کس قسم کا رحم ہے۔ اور ایسے مالک کی پرستش سے ہم کو کیا فائدہ ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ دنیا کا تمام عذاب باوجہ ہے یہ انسانوں کا اپنا ہی پیدا کردہ ہے۔ ورنہ اس قدرت میں عذاب ناپیدا ہے۔ جہاں عدل ہے وہاں ہر ایک خطا کا کے واسطے سزا لازمی شرط ہے۔ جب تک دنیا میں گناہ رہیگا عذاب بھی رہے گا۔ انسان خدائی قانون کو توڑتے ہیں اور سزا پاتے ہیں۔ ایشور دُکھ نہیں پیدا کرتا ہے۔ یہ اس کی ہرگز غرض نہیں ہے کہ اس کی مخلوقات بلا وجہ عذاب میں گرفتار ہو۔ مگر افسوس یہ ہے کہ دنیا دار عذاب کے فلسفہ سے ناواقف ہیں وہ نہیں جانتے ہیں کہ ہر ایک مصیبت اپنا فلسفہ رکھتی ہے۔ ہر ایک آفت اپنی وجہ رکھتی ہے۔ قدرت عدل مجسم ہے۔ ہر ایک بیماری جس سے انسان مرتے ہیں۔ ان کی اپنی مدعو کردہ ہے۔ جس گیند کو وہ ایک بار متحرک کر چکے ہیں۔ وہ ہی قدرت کی دیوار سے ٹکرا کر واپس آ رہا ہے۔ ہر ایک بد خیال جو ایک شخص اپنی حماقت سے دوسروں

کے عذاب کے واسطے نکال رہا ہے وہ ہی اپنے ساتھ اپنے مطابق دیگر بد خیالات کی طاقت لے کر اپنے عامل کی جانب بجلی کی رفتار سے لوٹ رہا ہے" زمین بیڑی ہے کیونکہ اس کا ہر ایک ذرہ مقناطیس ہے۔ قوانین ثقل و کیمسٹری یا علم نباتات پر ہی قدرت کے قوانین کا خاتمہ نہیں ہے۔ یہ ہماری تنگ خیالی ہے یہ قوانین وہاں ہی ختم نہیں ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک ہماری آنکھیں کام کرتی ہیں۔ بلکہ اقلیدس اور کیمسٹری کے قوانین کو سوشیل اور اخلاقی میدان میں لے جاؤ اور ان کو ایک لڑکے کے کھیل یا اقوام کی باہمی زندگی میں ملاحظہ کرو۔ ایک مکمل قانون انفعال۔ ایک مکمل منصف طاقت ہر جگہ محافظ اور نگراں ہے۔ اور یہ ہی سلسلہ انسان کے تمام حالات میں اندر اور باہر موجود ہے"

(ایمرسن)

قدرت میں ہر جگہ ایک ہی قانون ہے خواہ اس کا ظہور مادی دنیا میں ہو۔ خواہ روحانی عالم میں ہو۔ جیسے ہر ایک بیماری یا مرض کو انسان قوانین صحت کے توڑنے سے ہی پیدا کرتے ہیں ویسے ہی ہر ایک مصیبت زندگی کو لوگ اخلاقی قوانین کے توڑنے سے ہی مدعو کرتے ہیں قدرت معصوم کو کبھی آزار نہیں دیتی۔ اور خطاکار کو کبھی معاف نہیں کرتی" نیکی اور قدرت کے درمیان رابطہ

اتحاد قائم ہے۔ جس سے تمام اشیاء بدی کی مخالف ہیں۔ خوبصورت قوانین اور دنیا کی تمام اشیاء بدمعاش اور بدخواہِ وطن کو تازیانہ لگاتی ہیں۔ وہ معلوم کرتا ہے کہ دنیا میں صداقت کی بادشاہت ہے۔ اس کشادہ جہان میں ایسا کوئی غار نہیں ہے۔ جہاں بد معاش چھپ سکے۔ ہر ایک جرم کے کرنے پر زمین شیشہ کی بن جاتی ہے"۔ (ایمرسن)

فلسفہ موت کیا ہے

(۴) ہم نے عرض کیا کہ ہر ایک مصیبت اپنا فلسفہ رکھتی ہے۔ موت اس جہان میں سب سے بڑی مصیبت خیال کی گئی ہے۔ اس واسطے اس کا فلسفہ بھی سب سے زیادہ باریک ہے ہم دنیا کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔ مگر قدرت ہم کو زبردستی اٹھالے جاتی ہے۔ ہم دوستوں رشتہ داروں کی جدائی گوارا نہیں کرتے۔ وہ ہم کو ان سے جبراً علیحدہ کر دیتی ہے۔ اس تمام مفارقت۔ غم و الم سے قدرت کو ایک اعلٰے مقصد پورا کرنا مطلوب ہے۔ جس کے مقابلہ میں ہمارے ادنٰے مقاصد ہیچ ہیں۔ ہم دنیا سے دل لگا کر اپنے چھوٹے چھوٹے معاملات کو ہی مدعا زیست خیال کر رہے ہیں۔ مگر قدرت ہم کو ان سے علیحدہ کر اعلٰے معاملات ہستی کی جانب راغب کرنا چاہتی ہے۔ ہم اس دنیا کو ہی اصلی جہان خیال کر رہے ہیں۔ وہ ہم کو اس مادی طبقہ سے نکال کر دیگر محکمات ہستی کی سیر کروانا چاہتی ہے۔ اس جہان کے رشتہ دار

ترک کروا کر دوسرے جہان میں تعلق دار پیدا کر وانا چاہتی ہے۔ وہ ہم کو ہماری حماقت اور تنگ دلی سے آزاد کروانا چاہتی ہے۔ جس علاج کے کرنے میں تمام کتابیں لکچر۔ مجالس۔ واعظ۔ حکیم۔ مذاہب۔ حاکم کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ قدرت اس علاج کو خود کرنا چاہتی ہے وہ ہمارے خیالات اور دل کو وسیع بنانا چاہتی ہے۔ اور ہم کو بتانا چاہتی ہے کہ ہماری محنت اور مشقت کا آخری ثمرہ کیا ہے۔ ہمارے تعلقاتِ دنیا کا انجام کیا ہے۔ ہمارے تمام دوستوں۔ رشتہ داروں کی وفاداری کہاں تک کام کر سکتی ہے ہمارے بے جا خوشامدیوں کی خوشامد کہاں ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے تمام کرّ و فر۔ طاقت اور ثروت ہم سے کس طرح علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے تمام مکانات کو زلزلہ کا ایک روز کس طرح آن کی آن میں ملک عدم میں داخل کر دیتا ہے بڑے بڑے متکبّروں کو پلیگ کی ایک جھلک کس طرح نیست اور نابود کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے جرّی لشکروں کو ایک دن کا جنگ کس طرح غارت کر دیتا ہے۔ بڑے بڑے نامیوں کے نشان کس طرح مٹ جاتے ہیں۔ اور نادر شاہ یا چنگیز خاں جیسے ظالموں کا سر کس طرح نگوں ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس واسطے ہے کہ حضرت انسان اپنی خواب غفلت سے بیدار بن کر زندگی کی حقیقت کا متلاشی بن سکے ۔

موت کا خوف محض وہمی ہے۔ مرنے سے ہمیشہ وہی ڈرتے ہیں۔ جن پر مرنے کے بعد اپنے بد اعمال کا خمیازہ بھگتنے کا خوف طاری ہے۔ ورنہ موت ایک مہاتما کے واسطے اس راحت کا پیغام لاتی ہے۔ جس کا نام و نشان اس مادی طبقہ ہستی میں غائت ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ جو شخص مرنے سے پہلے بہشت میں داخل نہیں ہو سکا۔ اس کو مرنے کے بعد بھی بہشت نہیں نصیب ہوگا۔ جو لوگ زندگی بھر ایشوری قانون کو توڑتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد کس طرح بہشت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ موت مہاتما کے واسطے راحت ابدی کا پیغام دیتی ہے۔ جبکہ بد سیرت۔ بدکردار کے واسطے یہ جہنم کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ دنیا میں جس قدر عذاب ہے۔ وہ اس دُکھ کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ جو ایک بدکردار بد اعمال شخص کو موت کے پردہ میں داخل ہوکر سہنا پڑتا ہے۔ یہ ہی ایک وجہ ہے کہ بد اعمال لوگ مرنے وقت اپنے آپ کو سخت پریشانی کی حالت میں پاتے ہیں۔ وہ جان جاتے ہیں۔ کہ اب وہ ایک ایسے دیوتا کے قابو میں آگئے۔ جس کے پنجہ سے رہائی قطعی ناممکن ہے اور جو ان سے اُن کے ہر ایک بد عمل کا حساب گن گن کر لیگا اور جس کو وہ اپنی چالاکی یا ہنر مندی کی بدولت ہرگز دھوکہ نہیں دے سکیں گے +

درحقیقت کسی شخص کی نیک اور بد زندگی کا اعلےٰ معیا

اس کی موت کی حالت ہوتی ہے۔ جو شخص مرنا جانتا ہے اور فرشتہ موت کی تعمیل حکم کے واسطے ہمیشہ طیار رہے۔ وہ ہی اس جہان میں نیک بخت ہے۔ یہ سخت افسوس کی بات ہے کہ مادی تہذیب کی ترقی نے حضرت انسان کو ایسے علوم زندگی سے بالکل غافل بنادیا ہے۔ جن سے اس کی زندگی اور موت کا ہر ایک راز کھلتا۔ اور اس کو یہ معلوم ہوسکتا۔ کہ اس ساٹھ ستر برس کی حیات کے بعد وہ کہاں جائیگا۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ لوگ اس عارضی دنیا کے واسطے تو اس قدر فکر و اندیشہ میں غلطان رہتے ہیں اور اس جہان میں چند روزہ آرام کی خاطر ہزاروں اقسام کی تدابیر کرتے رہتے ہیں۔ مگر اس عالم بقا کی خاطر جہاں ہر ایک ذی روح کو لازمی طور پر جانا پڑے گا۔ اور جس کے کڑے قانون سے کسی جائداد کو گریز نہیں ہو سکتا۔ معمولی طیاری کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے ہیں۔ ہم یقیناً ان لوگوں کو عقلمند یا دانا نہیں کہہ سکتے ہیں خواہ وہ اس جہان میں کوئی حیثیت رکھتے ہوں۔ جو عالم عقبےٰ یا آخرت کے فکر سے غافل ہیں+

عدل اور رحم کا باہمی مقابلہ

(۵) دنیا میں دکھ درد ہے بے وقت موت ہے۔ جبکہ ہزاروں اور لاکھوں کی زندگی موت سے بدتر ہے۔ ہر ایک چیز عذاب کا سامان پیدا کرتی دکھلائی دیتی ہے۔ انسانی مصیبتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ دنیا میں لاکھوں ہی اندھے

ہیں۔ لاکھوں جذامی ہیں۔ لاکھوں لا علاج امراض سے ہر روز مرتے ہیں۔ اگر ایک کو حشمت نصیب ہے تو لاکھوں کو روٹی بھی مشکل سے میسر آتی ہے انسان اپنا پیٹ پالنے کی خاطر ہر روز لاکھوں معصوم بے گناہ جانوروں کے گلے پر چھری پھیرتے ہیں۔ اور مالک قدرت یہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور خاموش رہتا ہے۔ لاکھوں یتیم بچے فاقہ مستی سے بھوکھوں مرتے ہیں۔ پلیگ اور بھونچال سے بے شمار جانیں اس جہان میں تباہ ہوتی رہتی ہیں۔ مگر قدرت بایں ہمہ انسانی آہ و زاری پر ذرا بھی التفات نہیں کرتی۔ اس تمام انرتھ کا کون ذمہ وار ہے۔ کیا اس قدرت کا مالک واقعی رحمان ہے۔ اگر وہ در حقیقت رحیم ہے۔ تو ان سب مصائب کو یک لخت دور کیوں نہیں کر دیتا۔ کیا رحم اور عذاب مخلوقات کا قیام ایک ہی وقت میں ممکن ہے *

یہ افسوس کی بات ہے کہ لوگ مالک سے ایسی امیدیں رکھتے ہیں۔ جن کو وہ ہرگز پوری نہیں کر سکتا اور جب وہ اپنی امیدوں میں ناکامیاب ہوتے ہیں۔ تو مالک کی ہستی سے یا اس کے رحم سے ہی منکر ہونے کا فتوے جاری کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس قدرت میں ہر ایک چیز معیّن انتظام سے واقع ہوتی ہے اس میں اتفاق کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اس قدرت میں

عدالت عدل ہے۔ یہاں اندھیر نگری نہیں ہے۔ حق ہمیشہ اول ہے۔ فیاضی دوئم ہے۔ عدل اور رحم ایک دوسرے کی متضاد صفات نہیں ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں۔ رحم بلا عدل رحم نہیں ہے۔ بلکہ گناہ ہے۔ فیاضی بلا حق رسی کے ظلم ہے۔ بلا استحقاق رحم یا فیاضی گناہ کی پرورش کرتی ہے۔ جو حاکم یا منصف بلا داد رسی کے ملزم کو نظرِ ترحم سے چھوڑ دیتا ہے وہ آیندہ جرائم کی تعداد کو بڑھاتا ہے۔ اور عفو جیسی اعلےٰ صفت کا نہایت ہی بُرا استعمال کرتا ہے۔ رحم یا فیاضی ظاہر کرنے سے بیشتر اس بات کا امتحان کر لینا ہمیشہ ضروری ہے۔ کہ ملزم اس رحم سے کیا فائدہ اٹھائیگا یا اپنی آیندہ نیک چلنی کی نسبت کیا یقین دلا سکتا ہے۔ عین یہ ہی قاعدہ قدرت میں موجود ہے۔ مالک کائنات اپنے قوانین کی خلاف ورزی کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ دنیا عذاب کا گھر ہے۔ کیونکہ انسانوں نے ایک کے بعد دوسری خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو جہنم کا روپ بنا دیا ہے۔ دنیا دار اپنی حماقت میں یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ قدرت کی آنکھوں پر دھول ڈال سکتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ہر ایک گناہ زہر کا ہر ایک بوٹا ہے جسکا ہر ایک پتا۔ شاخ اور پھل زہر آلودہ ہے۔ ایک پاپ سے لاکھوں اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک بدی ہزاروں اقسام کی آفتوں کا موجب

بنتی ہے۔ ایک جھوٹ کو قائم کرنے کے واسطے ہزاروں جھوٹ گھڑنے پڑتے ہیں اور تاہم وہ جھوٹ قائم نہیں ہو سکتا اور اپنے عامل کے واسطے قدم قدم پر مصیبت کا موجب بنتا ہے۔ پس ہر ایک مصیبت ہمارے ہی کرم کا پھل ہے۔ یہ ہمارے ہی اعمال ہیں جو اس قدرت میں آفت پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ہر ایک بد خیال جو ہم نے دوسروں کے عذاب کے واسطے دل میں سے نکالا ہے۔ ہر ایک بد عمل جس سے ہم نے دوسروں کے دُکھ کو پیدا کیا ہے۔ در حقیقت وہ ہمارے ہی عذاب کا باعث بنا ہے۔ پس یہ خیال دل سے نکال دو۔ کہ مالکِ قدرت بے رحم ہے اور وہ اپنی مخلوقات کو عذاب دینا پسند کرتا ہے۔ ہم بذریعہ عدل ہی مالک کے فضل میں داخل ہوتے ہیں۔ مالک کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے میں ہی ہماری راحت ہے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کرنے سے ہی ہم رحمت خدائی کے مستحق بن سکتے ہیں ۔

عذاب کا فائدہ

(۶) دنیا کی تمام تکلیفات ہمارے بلوان بنانے کے واسطے ہیں۔ یہ مصیبتوں کا مقابلہ کرنے سے ہی ہے۔ کہ ہم اپنی طاقت کو بڑھاتے ہیں۔ دنیا میں نہایت بڑے آدمی وہ ہی ہوئے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی جوکھوں کا

مقابلہ کیا ہے۔ اور ہر ایک قسم کی آفت کے واسطے اپنے آپ کو مستعد بنایا ہے۔ زندگی ایک میدان جنگ ہے۔ اس میں وہ ہی کامیاب ہوتے ہیں جو ہر ایک حالت کے واسطے اپنے آپ کو طیار رکھتے ہیں۔ جس قدر مصیبت زیادہ ہے اتنا ہی اپنے آپ کو بلوان کرنا پڑتا ہے تاکہ اس کا صحیح صحیح مقابلہ ہو سکے۔ اگر یہ دنیا جائے عیش و آرام ہوتی تو اس سے ترقی اور علم کا خیال بھی معدوم ہوگیا ہوتا۔ جیسے بلا رگڑ کے رتھ یا گاڑی کا پہیہ چل نہیں سکتا۔ ویسے ہی بلا مصیبت کا مقابلہ کرنے کے ہم اپنی زندگی میں کامیاب بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس عذاب بلا فائدہ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ ہمارے ہی کرموں کا پھل ہے۔ ہماری ہی خلاف ورزی یا غلط کاری کا نتیجہ ہے۔ تاہم قدرت کی غرض ہماری تباہی نہیں ہے۔ بلکہ تندرستی ہے۔ سزا ضرور ملتی ہے۔ مگر اس سزا کا مقصد تماشہ دیکھنا یا دکھ دینا نہیں ہے۔ بلکہ فصد کرنا ہے۔ تاکہ زخم راضی ہو جاوے۔ یہ مصیبت ہی ہے جو کہ ہم کو ہماری کم زوریوں سے پاک صاف کرتی ہے۔ یہ ہی مالک کا رحم ہے ؎

ہم اس مسئلہ کی صداقت کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ عذاب ہماری آزمایش کے واسطے ہے۔ قدرت ہماری طاقت یا کم زوری سے بخوبی واقف ہے۔ جو مالک کائنات

ہمارے جیسے کم زور انسانوں پر تجربے کرتا ہے یا ہم کو بلا وجہ محض آزمایش کی خاطر عذاب شدید میں مبتلا کرتا ہے۔ وہ ہرگز منصف اور مکمل مالک نہیں کہلا سکتا ؂

جو لوگ عذاب کو انسان کی آزمایش کی خاطر بتلاتے ہیں۔ وہ ذرا دل میں وچار کریں۔ کہ مالک قدرت کو اس آزمایش سے فائدہ ہی کیا ہے۔ عالم الغیب ذات پر ہمارے عیب و ہنر بخوبی روشن ہیں اس واسطے اس سے ایسی توقع رکھنی ہی سخت غلطی ہے ؂

حقیقت یہ ہے کہ عذاب ہماری آزمایش کے واسطے نہیں ہے۔ نہ ہی مالک قدرت ہمارے جیسے کم زور انسانوں کو عذاب کے ایک بے کنار سمندر میں ڈوبتے دیکھنا پسند کرتا ہے۔ نہ ہی وہ ہماری مصیبتوں کا تماشہ دیکھنا چاہتا ہے۔ کہ ہم ان کو کیسے اور کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ یہ بھی اس کی غرض نہیں ہے کہ وہ ہمارے جیسے پست ہمت اور تنگ دل انسانوں پر تجربات کرے۔ یہ شان ایزدی سے بالکل بعید ہے۔ کہ خود تو منبع راحت ابدی ہو اور اپنی مخلوقات کو آزمایش کی خاطر نت نئی مصیبتوں میں مبتلا کرے۔ پس یہ خیال دل سے بدر کریں کہ زندگی۔ ایک آزمایش ہے یا مصیبت ہمارے امتحان کی خاطر ہے۔ مالکِ قدرت نہ تو ممتحن ہے نہ ہی ہمارا دشمن ہے۔ جو ہم کو بلا وجہ عذاب میں گرفتار کرے۔ زندگی ایک

مسلسل سلسلہ ہے۔ جس میں ہر ایک مصیبت یا راحت ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ یہ ہمارے ہی کرم ہیں جو اس قدرت کاملہ میں ہماری ہر ایک آفت یا آرام کا باعث بنتے ہیں۔ پس ہر ایک مصیبت کا صحیح امتحان کرنا سیکھیں کہ یہ ہمارے کس کرم کا پھل ہے۔ آیندہ اس کرم سے باز آئیں اور پچھلی کرتوت کی تلافی کریں +

فلسفہ عذاب

(۷) پس کوئی عذاب بلا وجہ نہیں ہے قدرت کے دیوتا یا محافظِ کرم بڑی بڑی آفتوں یا بلاؤں میں ان نیک اعمال انسانوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ جنہوں نے وہ گناہ یا پاپ نہیں کیا ہے۔ جس کی سزا وہ عذاب یا بلا ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھیں اس قدرت میں جس کو مادی علوم کے معتقد محض مادی اشیاء سے ہی بھرپور ملاحظہ کرتے ہیں۔ ایسی روحانی طاقتیں موجود ہیں۔ جو ہر ایک بشر کو اس کے کرم کا پھل دینے پر معیّن ہیں جو ہمارے اعمال کی نگران ہیں۔ اور ہر ایک بشر کو اس کے مناسب حقوق دلوانے یا اُس کا حق اُس کو پہنچانے کے سامان کے تردّد میں مصروف رہتی ہیں۔ یہ طاقتیں ہماری نظر سے غائب ہوں۔ مگر قدرت کے ہر ایک کام کی علت غائی۔ ہر ایک چیز کی متحرک کرنے والی طاقت ہمیشہ ہی انسانی نظر سے غائب رہتی ہے۔ جبکہ قدرت کے کاریگر غیب میں ہی اپنا کام کرتے رہتے ہیں +

فلسفہ عذاب ایک نہایت باریک فلسفہ ہے۔ ایک طرف تو قدرت اپنے عذاب سے سزا یافتہ شخص کو صاف کرتی ہے۔ دوسری طرف دوسرونکو موقعہ نیکی کا پیش کرتی ہوئی عبرت دلاتی ہے۔ وہ شخص واقعی بدبخت ہے۔ جوکہ اس اندوہناک نظارہ سے عبرت نہیں اختیار کر سکتا۔ اور آئیندہ اس قسم کے گناہ سے توبہ نہیں کرتا۔ ہر ایک سزا جو انسانی قانون سے ملتی ہے۔ بمقابلہ اس سزا کے نہایت ہی حقیر ہے جوکہ دربار قدرت سے ہر ایک گناہ گار کو ملتی رہتی ہے۔ صحیح انصاف ہمیشہ اسی دربار اعظم سے ملتا ہے اور یہ بلا ہماری استدعا کے ملتا ہے۔ قدرت خود بخود انصاف کر دیتی ہے۔ کیونکہ اس کا ہر ایک قانون عدل کا طرفدار ہے ؛

مگر محض عبرت ہی نہیں ہے بلکہ دوسروں کے عذاب میں ہم کو کیسا خوبصورت موقعہ نیکی اور ہم دردی کا حاصل ہوتا ہے۔ وہ انسان کیسا سنگ دل ہوگا جوکہ اپنے ایک مصیبت زدہ بھائی کے ساتھ ہم دردی نہیں کر سکتا۔ افسوس ہے کہ دنیا دار اس قانون سے ناواقف ہیں کہ ہم ایک دکھی شخص کا دکھ دور کرنے سے حقیقت میں اپنی راحت کا سامان اکٹھا کرتے ہیں دوسروں کا عذاب کم کرنے سے ہم اپنے واسطے راحت اور آرام کا توشہ بڑھاتے ہیں۔ جب ہم اپنے بھائیوں کی صحت کی پروا

کرینگے۔ اُن کو قوانینِ صحت سے واقف بنا دینگے تو بیماری کا گذر ہمارے شہر اور محلہ میں نہیں ہوگا۔ ہمارا جسم و جان وبائی امراض سے محفوظ رہے گا۔ ویسے ہی جب ہم اپنے اہل وطن یا اہل شہر کو دیانتداری۔ ایمانداری پارسائی کی تعلیم سکھلا دیں گے اور اُن کے دل میں یہ بات جانشین کر دینگے۔ کہ اُن کی تمام تکالیف ان کے اپنے بد اعمال کے باعث ہیں تو ہمارے دیش میں ہر طرف پاکیزگی کی ہوا چلے گی ہمارے اہل وطن اس پاکیزہ ہوا سے متاثر ہونگے۔ اور ہر ایک شخص خواہ چاہتا ہے یا نہیں چاہتا ہے۔ طبعاً نیک عادات کا خوگر بن جائیگا دنیا میں نئی زندگی داخل ہوگی۔ اور تمام انسانی مصیبتوں کا علاج ہو جائے گا +

پس خالص خود غرضی کے خیال سے بھی ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم دوسروں کی تکالیف میں ان سے ہم دردی کرنا سیکھیں۔ قدرت میں کیسا عجیب سلسلہ قانون ہے کاشکہ انسان اس کی حقیقت کو سمجھتے اور اس پر عمل کرتے۔ تو وہ تمام تکالیف جن کا آئے دن انسانی زندگی شکار بن رہی ہے۔ اور جن کے باعث دنیا جہنم کا روپ بن رہی ہے۔ اس جہان میں شاذو نادر ہی کہیں نظر آتیں جس قدر ہم قدرت کے قوانین کی صحیح پیروی کرتے ہیں اتنا ہی آرام کا سامان اپنے واسطے مہیا کر لیتے ہیں۔

ہمارے مجلسی تعلقات

(۸) اس جہان میں ہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں ۔

سوسائٹی یا مجلس سے ہر ایک انسان کا وہی تعلق ہے جوکہ ہر ایک عضو کا سارے جسم سے ہے۔ جیسے ایک عضو کے بیکار ہو جانے سے سارا جسم نکمّا ہو جاتا ہے ویسے ہی ایک بد آدمی کے وجود سے ساری سوسائٹی خراب ہو جاتی ہے ۔ایک خطا کار ممبر ساری جماعت یا مجلس کو معرضِ خطر میں ڈال دیتا ہے ایک گناہگار تمام جماعت کے امن کو برباد کر دیتا ہے ۔ ریلوے گاڑی کے مسافر یا دخانی جہاز کے مسافر ریلوے سٹاف کے ایک ممبر یا کپتان جہاز کی غفلت سے بسا اوقات راہی ملک عدم ہوتے ہیں۔ پس دوسروں کے آرام میں ہمارا آرام اور دوسروں کے عذاب میں ہمارا عذاب مشتمل ہے۔ یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ دوسرے لوگ عذاب میں رہیں اور ہم اپنے ایام اس جہان میں آرام سے کاٹ سکیں جہاں پلیگ کا دورہ ہرطرف جاری ہو جائے گا۔ وہاں کوئی بھی اپنی زندگی امن سے بسر نہیں کر سکے گا۔ جہاں ہرطرف بد دیانتی ۔ بے ایمانی ۔ فریب ۔ ریاکاری کا بازار گرم ہو گا۔ وہاں کوئی بھی دیانت دار نہیں رہ سکتا اگر ہم شرافت سے اپنے بھائیوں کی ہمدردی نہیں کرینگے ۔ انکے بد حالات کو درست کرنے کی سعی نہیں کرینگے

تو قدرت اپنے تازیانہ سے ہم کو راہ راست پر لاوے گی
اور ایسے عذاب میں ہم کو گرفتار کریگی۔ جس سے مخلصی
کا کوئی ذریعہ بھی نکالنا محال ہو جائے گا +

اگر مالک قدرت یہ قاعدہ استعمال نہ کرتا۔ اور انسانوں
کو جداگانہ رکھتا تو اس جہان میں نہ تو مجلس کا وجود ہوتا
نہ کوئی تہذیب ہوتی۔ نہ ہی علم کا امکان ہوتا نہ ہی انسانی
نسل کی ترقی ہوتی۔ غرضیکہ انسانی ہستی محض بیکار رہتی
اور پیدایش کا مطلب ہی خبط ہو جاتا +

ہم فعل کرنے میں مختیار کُل ہیں

(۹) ہم اِس جہان میں غلام
یا قیدی بنا کر پیدا نہیں کئے گئے ہیں۔ قدرت ہم کو آزاد
پیدا کرتی ہے۔ یہ ہمارا اختیار ہے کہ ہم نیکی کو پسند
کریں یا بدی کا راستہ اختیار کریں۔ ہر ایک فعل کے
کرنے میں ہم مختیار کُل ہیں۔ کوئی ہم کو مجبور نہیں
کرتا ہے۔ کوئی ہم سے جبرًا گناہ نہیں کرواتا ہے۔ بلکہ
اس کے بالکل برعکس خواہ کیسی ہی نازک حالت ہو۔
کیسا ہی سنگین موقعہ ہو۔ ہم نیکی کا راستہ اختیار کرنے
میں پورے مجاز ہیں۔ قدرت ہم کو آزاد رکھتی ہے۔ بلکہ
اگر ہم نیک راستہ اختیار کریں تو اس کی نیک طاقتیں۔
ہماری امداد پر کمربستہ رہتی ہیں۔ جبکہ ہر ایک بدی کے
راستہ میں ہزاروں روکاوٹیں موجود ہو جاتی ہیں۔ جن کا

عامل کو خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔ پس جہاں آزادی ہے وہاں ذمہ واری بھی لازمی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قدرت ہم کو ہمارے اعمال کے واسطے ذمہ وار ٹھہراتی ہے ؛

بعض نکتہ چین اصحاب شکایت کرتے ہیں کہ مالک کائنات اس جہان میں بدی کا وجود کیوں قائم رہنے دیتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو نیک ہی کیوں نہیں بنا دیتا۔ تاکہ اس دنیا میں ہی بہشتی نعمتیں ظاہر ہو جائیں اور دنیا فردوس کا نمونہ بن جاوے۔ اگر وہ واقعی رحیم یا کریم ہے تو کیا اس کا رحم اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ اس جہان سے بدی کا وجود غایب کردے اور عذاب دنیا کا بھی ساتھ ہی خاتمہ کردے۔ مگر یہ تعجب ہے۔ کہ معترض یہ نہیں سمجھتے کہ اگر مالک قدرت ہم کو محض مشین بنا کر پیدا کرتا اور انسانی نیکی کو ہی اختیار کر سکتا تو اِس صورت میں نیکی نہ نیکی رہتی اور نہ ہی انسانی علم یا تہذیب کی کوئی ترقی ہوتی۔ نہ ہی اس انتظام سے دنیا بہتر بن سکتی۔ اور نہ ہی یہ امر مالک کے رحم یا کرم پر دلالت رکھتا۔ وہ نیکی محض بے سود ہوگی۔ جو انسانوں سے جبراً کروائی جاوے۔ ایسی نیکی سے کوئی سُکھ نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور نہ ہی انسانی حالات میں اس سے ترقی مِل سکتی ہے۔ یاد رکھو یہ ہمیشہ بدی کا مقابلہ کرنے سے ہی ہے کہ ہم اپنی طاقت نیکی کو بڑھاتے

ہیں۔ یہ بد جذبات پر قابو پانے سے ہی ہے کہ ہم اپنے اندر آتما کی طاقتوں کا انکشاف حاصل کرتے ہیں۔ پس یہ خیال کہ ایشور ہم کو محض مشین بنا کر رکھتا۔ بالکل بے بنیاد ہے +

(۱۰) سب سے بڑا اعتراض* جو مادی سائنس کے معتقد ایشور کی ہستی یا قدرت کے رحیم اور کریم ہونے پر کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ قدرت کے تمام قوانین اخلاقی حس سے خالی ہیں۔ قدرت اپنے قانون کے پورا کرنے میں عابد یا بدمعاش کے اخلاق کی پرواہ نہیں کرتی۔ جیسے سورج چانڈال اور مہاتما کے گھر کو یکساں اوجالا کرتا ہے۔ جیسے بارش نیک اور بد مخلوقات پر یکساں اثر کرتی ہے جیسے آگ مہاتما اور بدمعاش کو جلانے میں ان کے خیالات کی مطلق پرواہ نہیں کرتی۔ قانون ثقل کسی مہاتما کے پہاڑ سے گرتے وقت ساکن نہیں ہو جاتا۔ طوفان کسی جہاز کو غرق کرتے وقت اس کے نیک و بد اہل جہاز کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی طرح قدرت اپنی آفتوں کو نازل کرتے وقت نیک و بد انسانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتی ہے۔ پس ان حالات سے معترض یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ قدرت میں نیکی یا بدی کا لحاظ بالکل نہیں ہے

* ملاحظہ ہو ہکسلے قانون ارتقا اور اخلاق ــ

Huxley's (Evolution and Ethic)

قدرت میں رحم اور عدل کی موجودگی

ان معترضوں سے ہم یہ التماس کرتے ہیں۔ کہ وہ قدرت کے قوانین کی تحقیقات بالکل غلط بنیاد پر کر رہے ہیں اور یہ اسی غلط امتحان کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ دنیا میں ہر طرف عذاب و مصیبت کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ یہ افسوس ہے کہ وہ اس نقطہ خیال کو فہم میں نہیں لاتے ہیں۔ کہ قانون کی حکومت ہی عدل و رحم کی حکومت ہے۔ جہاں کوئی قانون نہیں ہے وہاں امن بھی ناممکن ہے یہ قدرت کے قوانین کے باضابطہ ہونے سے ہی ہے۔ کہ ہم اپنی زندگی کے تمام کاروبار کو صحیح طور پر چلا سکتے ہیں۔ اگر قانون ثقل کسی صورت میں عاری ہو جاتا یا کچھ وقت کے لئے معطل ہو جاتا تو اس دنیا کا بھی ساتھ ہی خاتمہ ہو جاتا زمین اس نظام شمسی سے نکل کر خبر نہیں کہاں غایب ہو جاتی۔ یہی کیفیت قدرت کے دیگر قوانین کی ہے۔ ان کی باضابطگی ہی قدرت کے حسن انتظام کا موجب ہے۔ مثال کے طور پر اس جہان میں کوئی بادشاہت یا ملک لو جہاں عدل کی حکومت ہے۔ وہاں ہی رعایا ہمیشہ آرام اور امن سے گذران کرتی ہے۔ ویسے ہی عدل کا جہاں وجود ہے وہاں ہر ایک قسم کا امن اور آرام حاصل ہے

قدرت عدل مجسم ہے۔ اس کے ہر ایک قانون کی صداقت
بالکل بے خطا ہے۔ معترض ذرا دل میں وچار کریں۔ اس
قسم کی عادل حکومت اخلاقی حس سے خالی ہوگی۔ یا
اخلاق کا سب سے اعلےٰ معیار ہی ایسی حکومت کا
پیدا کردہ ہوتا ہے۔ قانون کا وجود ہمیشہ رحمت مالک کا اظہار
کرتا ہے۔ یہ قوانین قدرت کی یکسانی کی بدولت ہی
ہے کہ کسان اپنی کھیتی وقت پر بوتا ہے۔ ملاح جہازرانی
کر سکتا ہے۔ معمار عمارت کو بنا سکتا ہے۔ ہم دن رات
کے صحیح وقت کو جان سکتے ہیں۔ اگر کشش ثقل کبھی
اوپر کی جانب اور کبھی نیچے کی جانب عمل کرے تو
نہ تو ہمارے گھر اور عمارتیں قائم رہ سکیں اور نہ ہی
کسی چیز کا قیام ممکن بن سکے ۔

یہ خیال رہے کہ یہ قانون کی غیر موجودگی یا انتظام
کی کمی ہی ہے۔ جو ہمارے واسطے عذاب کا موجب بنتی
ہے۔ قدرت قانون مکمل ہے۔ اس واسطے یہ اخلاق کا
سب سے اعلےٰ معیار ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ دنیا
کے تمام بزرگ۔ مہاتما۔ اوتار۔ اس قدرت کے مالک
کو اخلاق کا سب سے اعلےٰ نمونہ مانتے رہے ہیں
اور اپنی زندگی کے اعلےٰ رموز کا حل بھی اسی ذات
پاک سے معلوم کرتے رہے ہیں ۔

(۱۱) لوگ بسا اوقات یہ شکایت کرتے ہیں۔ کہ

بھونچال ۔ پلیگ جیسی مصیبتوں پر ایشور کیوں خاموش رہتا ہے ۔ اگر وہ واقعی رحیم ہے تو خواہ مخلوقات کیسی ہی قصوروار ہو ۔ اُس کو لازم ہے کہ اپنے لاانتہاہی رحم سے انسانی دنیا کا تمام عذاب رفع کر دے ۔ معصوم ننھی سی جانیں تڑپتی ہیں ۔ اور مالک قدرت بیٹھا تماشہ دیکھتا ہے ۔ یہ کس قسم کا رحم ہے ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ معترض یہ نہیں خیال کرتے کہ پیدائش کی لازمی ضروریات سے قدرت کبھی محفوظ نہیں رکھ سکتی ÷

بھونچال اور پلیگ میں خدائی رحم

پیدائشی تبدیلیاں اس کائنات میں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں اور ان تبدیلیوں میں قدرت کسی قطعہ زمین کے باشندوں کے خاص آرام کو ملحوظ نہیں رکھ سکتی ۔ زمین کی سطح آہستہ آہستہ سرد ہوتی جاتی ہے ۔ اور سخت بنتی جاتی ہے ۔ اس عمل میں بھونچال کا ظہور کبھی کبھی لازمی ہے ۔ مگر یہ بھونچال سابق کی نسبت بہت شاذ و نادر رہ گئے ہیں ۔ اور زمین انسانی بود و باش کے واسطے طیار ہو چکی ہے ۔ مگر کبھی کبھی ایک زلزلہ کہیں کہیں پیدا ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ قدرت کا کام ابھی ختم نہیں ہو گیا ہے ۔ لاکھوں برسوں کے بعد ایسا زمانہ آئیگا جبکہ یہ زمین انسانی بود و باش کے ہرگز لایق نہیں ہوگی کیا خدا اس وقت تک انتظار کئے جاتا ۔ جب تک زمین

سے بھونچال کا خوف بالکل دور ہو جاتا۔ اور اس وقت تک کسی انسان کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اس طرح سے قدرت کا ایک اعلےٰ محکمہ غیر آباد رہتا اور دنیا کا نمود آخری وقت تک ظاہر نہ ہو سکتا۔ ہم قوانین قدرت پر تمسخر کرنے یا مالکِ قدرت کو بے جا الزام لگانے کے واسطے پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ ہم ان قوانین کی صداقت کو معلوم کریں اور اس کو خود حفاظتی میں استعمال کریں۔ جو لوگ قدرت کی اس بے رحمی پر اتنا شور و شر مچاتے ہیں۔ وہ ذرا اس بات کا جواب دیں کہ ان آفتوں میں قدرت ہر ایک بشر کو جس پر ان کا اثر واقعہ ہوتا ہے تباہ کیوں نہیں کر دیتی۔ اس میں کلام نہیں کہ ہزاروں مرتے ہیں۔ لیکن جو بچ رہتے ہیں ان کو کون بچاتا ہے۔ اور کس معجزہ نما طاقت سے وہ محفوظ کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ بالکل اتفاق ہے یا کہ باوجہ عمل قدرت ہے۔ جس کی علت غائی سے گو ہم بے خبر ہوں۔ لیکن قدرت کا حقیقی راز دان بے خبر نہیں رہ سکتا کیا یہ معجزہ خیز بچاؤ ان کے کسی نیک عمل کا ہی نتیجہ نہیں ہے۔ اور کیا یہ مالک کا رحم نہیں ہے۔ جو کہ قانون عدل کو پورا کرتا ہوا ان کی حفاظت کا باعث بنا ہے علم طبقات الارض اور علم ہیئت کی معقول واقفیت پر ایسے علم کا ظہور ممکن ہے۔ جس سے بھونچال کی آمد کا

صیح وقت اور صیح مکان معلوم ہو سکے۔ اور حضرت انسان اپنی زندگی کو ایسے اوقات میں محفوظ رکھنے کا صیح

.. ..

.. .. طریق نکال

سکے۔ موجودہ اہل جاپان اپنے گھروں اور مکانوں کی ساخت سے اپنے آپ کو اُن متواتر زلزلوں سے محفوظ رکھنے کا ایک طریق ایجاد کر سکے ہیں جو کہ انکے ملک میں کثرت سے آتے ہیں۔ ویسے ہی انسانی معلومات کی ترقی پر ایسے علم کی ایجاد ممکن ہے۔ جس سے بھونچال کا خوف و خطر بالکل غائب ہو جاوے ÷

قدرت اپنے بھگت کو ہمیشہ محفوظ رکھتی ہے

(۱۲) پس ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ انسانی دنیا میں ہر ایک آفت انسانی اعمال کا ہی نتیجہ ہے۔ قدرت اپنی تمام پیدائیشی تبدیلیوں میں جو اس زمین کے قیام کے واسطے لازمی ہیں۔ ان ارواح کو ہمیشہ محفوظ رکھتی ہے۔ جنہوں نے ایسا عمل نہیں کیا ہے جو کہ سزائے بے وقت موت کے مستحق ہو۔ سان فرانسکو کے بھونچال میں وسیو دیس کی آتش میں بھی ان نیک اعمال لوگوں کی ہمیشہ حفاظت کی جاتی ہے۔ جو واقعی صادق مزاج ہیں اور اپنی نیک روی کے باعث دیوتاؤں سے خاص معجزہ خیز طریق سے بچائے جاتے ہیں۔ انمیں

شک نہیں کہ ہم ان آفتوں کو جن پر ہمارا قابو نہیں ہے روک نہیں سکتے ہیں۔ اور نہ ہی انسانی علم کے تنگ دائرہ کے سبب سے قدرت کے ان اسباب پر قادر ہو سکتے ہیں۔ جن سے وہ آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ہم ہی نیک فیاضانہ زندگی سے ان آفات سے اپنا بچاؤ ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ صداقت بالکل بے خطا ہے۔ کہ جسطرح قدرت اپنے خطا کار کو دونوں جہان میں نہیں چھوڑتی اسی طرح اپنے بھگت نیک عمل کو دونوں جہان میں محفوظ رکھتی ہے۔ ہر ایک آفت اور عذاب میں جو کہ ہم نے خود پیدا نہیں کیا ہے یا جو ہم پر دوسرے انسانوں کی بے رحمی سے یا بے انصافی سے واقع ہوتا ہے۔ قدرت کی رحیم اور عادل طاقتیں ہماری امداد کرتی ہیں۔ یہ ہی قدرت کا انصاف ہے +

پلیگ یا وبائی امراض ہمیشہ قانون صحت کی لاپرواہی کا نتیجہ ہیں۔ جو لوگ آتما کی صحت یا جسم کی سلامتی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں اور قانونِ صحت کو اپنی زندگی میں مستعمل نہیں کرتے ہیں۔ وہ ضرور اپنی غفلت کی سزا پاتے ہیں۔ یہ ہرگز منشا قدرت نہیں ہے کہ اسکی مخلوقات بلا وجہ تباہ ہو۔ مگر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ لوگ ہر روز مالک کے قوانین پر تمسخر کرتے رہیں۔ زندگی بد اخلاقی میں گذاریں۔ اور ساتھ ہی اسکے رحم کے بھی متلاشی بن سکیں +

فصل دوم

قانونِ رحم

"मित्रस्य चक्षुषा ईक्षामहे" "यजुः" "ये वै राये त्वा वन पापा मैत्रीं चितास्ताः सत्या, सर्वभूतदयावन्तस्ते नराः स्वर्गगामिनः ॥"

कर्मणा मनसा वाचा ये न हिंसन्ति किञ्चन
ये न सज्जन्ति कस्मिंश्चित्ते न बध्यन्ति कर्मभिः

(महाभारत)

ہم تمام خلقت کو نظرِ محبت سے دیکھیں (یجروید)

جو اشخاص کسی سے بھی دشمنی نہیں کرتے ہیں۔ اور کسی کو ستاتے نہیں ہیں۔ جو ہمیشہ سب کی طرف محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ سب جانداروں پر رحم کرتے ہیں۔ وہ ہی بہشت میں داخل ہوتے ہیں۔

جو کسی کو ستاتے فعل سے۔ دل سے۔ زبان سے نہیں ہیں۔ جو کسی دل میں چوٹ نہیں لگاتے ہیں۔ وہ ہی کرم کے بندھن سے آزاد ہوتے ہیں۔ (مہابھارت)

رحم کی طاقت

(۱) اخلاقی صفات میں رحم سب سے اولےٰ ترین ہے۔ جس دل میں اسکا پرکاش ہے۔ وہ واقعی منور ہے۔ اس کا ظہور انسانی دل میں روحانی مسرت کی ایک جھلک پیدا کر دیتا ہے اس پاک جذبہ کے نمود پر انسان اپنے آپ کو کسی اعلےٰ ترین ولایت کا باشندہ پاتا ہے۔ جہاں رنج و الم کا نام و نشان نہیں۔ دنیا کے خفیف قضیوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ نہ اس کو انتقام کی خواہش ہے۔ نہ کینہ پروری سے مطلب ہے۔ وہ دشمن کو بھی پناہ بخشتا ہے۔ اپنے قاتل کو بھی معافی دیتا ہے۔ اس جہان کی خس و خاشاک سے مبرّا۔ وہ آلائش کینہ وزری سے مصفّا بنتا ہے۔ اسے اس جہان میں اپنا اصلی مشنِ زندگی پورا کرنا ہے۔ اس کی کدورتِ دل مٹ گئی ہے تمام غلاظت صاف ہو گئی ہے۔ اس کا رحیم دل دنیا کے جھگڑوں، قضیوں۔ تنگ خیالات سے مبرّا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے۔ کہ قدرت ہر ایک گناہگار اور خطاکار سے اپنا لیکھا لے کر چھوڑتی ہے۔ قانونِ کرم کی صداقت بالکل بے خطا ہے۔ مالک قدرتنا جانے اور اس کا قانون جانے۔ وہ اپنا حساب موت سے پہلے صاف کر جائے گا۔ کسی انتقام کے خیال کو ساتھ لے کر وہ اس جہان سے نہیں جائے گا۔

اپنے حریفوں۔ اپنے قاتلوں کو بھی وہ معاف ہی کرے گا ٭

دار پر چڑھا ہوا مسیح اپنے قاتلوں کے واسطے معافی مانگتا ہے۔ ان کی قانون زندگی سے ناواقفیت کو معذرت میں پیش کرتا ہے۔ اپنی موت کی تکلیف کو سہتا ہوا اس کا پاک دل دوسروں کے دُکھ کو محسوس کرتا ہے۔ اپنے قاتلوں کے عذاب کا خیال جو ان پر وارد ہونا ہے۔ اس کے رحیم دل کو اپیل کرتا ہے وہ درگاہِ مُتبرک میں ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا ہے۔

"Father forgive them, for they know not what they do"

"اُے پتا۔ ان کو معاف کر۔ کیونکہ یہ نہیں جانتے ہیں۔ کہ وہ کیا کر رہے ہیں" آہا ہا کیسا عجیب عبرت نظارہ ہے۔ مسیح اپنا حساب صاف کر جاتا ہے۔ اس کا پاکیزہ دل آلایش انتقام سے مبرّا۔ آتما اس جسم فانی سے رخصت ہوتا ہے۔ مگر خطا کار قاتل کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ تاریخ عیسائی مذہب پڑھ کر دیکھ لیں۔ کہ یہودی کس طرح خوار و خستہ ہوئے۔ لیکن مسیح کے عفو نے کروڑوں انسانوں کے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ یہی رحم کی طاقت ہے ٭

خیال انتقام ہمیشہ عذاب کا موجب ہے

(۲) یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جو لوگ انتقام یا کینہ پروری کے درپے رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ تنگ دل ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے ہیں۔ قانون زندگی کیا ہے۔ آیا معاف کرنے میں زیادہ سوکھ ہے۔ یا کہ انتقام لینے میں زیادہ آرام ہے۔ وہ اپنے دل میں ہی کینہ کی پرورش کرتے رہتے ہیں۔ ان کا دماغ اور دل ہمیشہ اسی تاک میں لگا رہتا ہے کہ جس طرح ہو سکے اپنے دشمن کو پائمال کریں۔ وہ نہیں جانتے ہیں۔ کہ جن انتقام کی طاقتوں کو وہ اپنے اندر سے نکال رہے ہیں۔ جن خیالات کی دھاروں کو وہ اپنے دشمن کی طرف بھیج رہے ہیں۔ وہ اس قدرت میں کیا شور و شر مچا دینگی اور کتنی بے گناہ اور معصوم جانوں کے عذاب کا باعث بنیں گی۔ تاریخ دنیا میں خوفناک سے خوفناک جنگ و جدل اسی انتقام کی طاقت کا نتیجہ ہیں۔ نہ راون اپنی بہن کے معاوضہ انتقام کے درپے ہوتا نہ سیتا کو چھل کر لے جاتا۔ نہ ہی خاندان راکھشش کی تباہی ہوتی۔ مہا بھارت کا خوفناک جنگ بھی اسی جذبہ انتقام کا ہی نتیجہ تھا۔ دریودھن کے اندر حسد و انتقام کی آگ مشتعل تھی وہ بلا پانڈوں کو خاک میں ملائے دم نہیں لے سکتا تھا۔ اس انتقام کا جو نتیجہ ہوا

تاریخ بھارت سے روشن ہے۔ لاکھوں بے گناہوں کے خون ہوئے۔ بھارت کی تمام ترقی اور اقبال کا خاتمہ ہوگیا۔

انتقام کا خیال ترک کرنے سے ہم اپنے اندر شانتی پیدا کرتے ہیں اپنے دل و دماغ کو آیندہ نیک کاروبار میں لگاتے ہیں۔ جن سے ہمیں آیندہ کے واسطے راحت نصیب ہوگی۔ شاعر سچ فرماتا ہے ؎

لذتے کہ در عفو است در انتقام نیست

مگر یاد رکھیں کہ وہ شخص جس نے ایک بے قصور معصوم کو آزار دیا ہے۔ قدرت کے قانون سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکے گا۔ اس کے واسطے زمین اور آسمان میں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ وہ اپنے اعمال کی پاداش میں مبتلا ہوگا اور قدرت ایسے حالات فوراً پیدا کر دے گی۔ جن سے اس کا تمام عیش منغص ہو جائے گا۔ اور اس کی تمام زندگی عذاب اور مصیبت میں گذرے گی۔

قانون رحم مساوات کا قانون ہے

(۳) منعم حقیقی نے جن برکتوں سے انسانی زندگی کو فیض یاب کر رکھا ہے۔ ان سب میں سے رحم اعلےٰ ترین برکت ہے۔ یہ عامل اور معمول دونوں کو مستفید کرتا ہے۔ عامل اپنے آپ کو مصیبت زدہ معصوم کی حالت میں لے آتا ہے وہ اس کی

تکلیف کو اپنی تکلیف۔ اس کے رنج کو اپنا رنج بنا لیا
ہے۔ اس حالت کے نمودار ہونے پر دنیاوی تفریق
اور تقسیم کے جھگڑے قضیئے مٹ جاتے ہیں۔ پس قانون
رحم مساوات کا قانون ہے۔ یہ عامل اور معمول دونوں
کی حالت مساوی بنا دیتا ہے دونوں کے اندر مساوی
جذبات کو متحرک کر دیتا ہے۔ جب ہم کسی مصیبت زدہ
شخص کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں اور نظرِ ترحم سے
اس کی تکلیف کو دور کرنے کا قصد کرتے ہیں تو گویا
اسکی حالت کو اپنی حالت فرض کر لیتے ہیں۔ بلا اس کی
تکلیف کو دور کرنے کے ہم کو تسکین ہی نہیں آتی۔
بلا اس حالت مساوات کے رحم کا اظہار ہی ناممکن ہے
رحیم دل یہ کبھی گوارا نہیں کرے گا کہ وہ خود آرام سے
رہے اور اس کا ایک بھائی اس کے سامنے درد سے
پھڑکتا رہے۔ یہ واقعی سچ ہے۔ جس دل میں یہ پاک
جذبہ نمودار نہیں ہو سکا۔ وہ دل ابھی تک انسانیت
کے پاک عنصر سے آراستہ ہی نہیں ہو سکا۔

قدرت اسی برکت سے اپنی تمام پیدائش کی حفاظت
کا کام لیتی ہے۔ تمام جانداروں کی پرورش اس طاقت
کی بدولت ہوتی ہے۔ ماں بچے کی پرورش اسی رحم
کی بدولت کرتی ہے۔ اسی سے وہ بچے کی ہر ایک
تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتی ہے۔ اس کے دکھ سکھ کو

اپنا دُکھ۔ اس کے سُکھ کو اپنا سُکھ خیال کرتی ہے۔ اگر والدہ کے دل سے یہ پاک جذبہ غایب ہو جاوے۔ تو اولاد کی پرورش بھی ناممکن بن جاوے ÷

بھگوان بدھ (بودہا اوتار) نے ایک راجہ کو ہرن پکڑتے ہوئے دیکھا ادھر معصوم مرگ (ہرن) کی سہمی ہوئی صورت اُدھر چمکتا ہوا تیر بے پناہ نظر آنے کی دیر تھی کہ بھگوان بدھ مارے درد حقیقی کے راجہ کے سامنے چت گر پڑے۔ اور پُر اثر روحانی گداز کے ساتھ راجہ سے عرض کی ،، کہ آپ بے شک میرا جسم حوالہ تیر کیجئے لیکن اس متوالی آنکھوں والے آہو کو ایذا رسانی سے درگذر کیجئے۔ مجھے اپنے جسم سے محبت نہیں۔ لیکن اِس غزال بیچارے کو زندگی بڑی پیاری ہے،،

ناظرین! آپ خیال کر سکتے ہیں۔ ایسے موقع پر راجہ صاحب کا پتھر دل اہلیا بن کر کہاں اُڑ گیا ہوگا ان سوز باطنی والے کلمات نے راجہ کے وحشت بھرے قصد پر کس قیامت کا کلہاڑا چلایا ہوگا۔ بدہ کی قربانے نفس (جاں نثاری) نے راجہ کے شکاری دل کو کس قدر صید کیا ہوگا۔ !

ہزارہا سال منقضی ہو گئے۔ وہ بدہ جو ہرن کی خاطر جان دینے کو طیار تھا۔ آج تک کروڑوں انسانوں پر راج کر رہا ہے ÷ وہ عیسٰے جس کا مقولہ ہے کہ ایک

گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال اُس کے آگے کر دو۔ وہ عیسیٰ ملکوں کے ملک قبضے میں لے آیا۔

(از سوامی رام۔ رسالہ الف نمبر ۷ تا ۱۲)

(۴) یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس جہان میں جہاں اس قدر عذاب پہلے ہی موجود ہے۔ انسان ایک دوسرے کی امداد کرنے کی بجائے اپنے جبر و ظلم سے اس عذاب کی مقدار کو اور بھی بڑھاتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ستانے کے لئے موقعہ سے ذرا بھی نہیں فرو گذاشت کرتے۔ قدرتی آفتوں پر انسانی جبر و تشدد غضب ڈھاتا ہے بڑے بڑے نیک نہاد۔ پارسا مزاج۔ شریف۔ اپنے جابر سنگ دل بھائیوں کے ہاتھ سے وہ تکالیف اٹھاتے ہیں کہ چپ بھلی۔ اگر شیر یا چیتا کسی انسان کو پھاڑ ڈالے تو علیحدہ بات ہے۔ اس کے دل میں ابھی قوت رحم کا آغاز نہیں ہوا وہ اس پاکیزہ حس سے ابھی بے بہرہ ہے۔ مگر ایک انسان جس کے آتما میں یہ وصف منکشف ہو چکا ہے اپنے دوسرے بھائی انسان پر بے رحمی سے وار کرے اور اس کا خون نکالنے کے لئے طیار ہو۔ یہ کس قدر کراہت آمیز نظارہ ہے۔ کس قدر افسوس و رنج کا مقام ہے۔ مگر عین یہی نقشہ ہے جو کہ ہم اس جہان میں ہر طرف نمودار دیکھتے ہیں جو لوگ قدرت کے

نازل کردہ عذاب پر چلاتے ہیں اور مالک قدرت کو بے رحم مشتہر کرتے ہیں۔ وہ ذرا دھیان دیں۔ کہ اس جہان میں جتنا عذاب گا ہے بگا ہے بھونچال۔ پلیگ۔ قحط سے وارد ہوتا ہے۔ وہ اس عذاب سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ جو سنگ دل انسان اپنی اغراض نفسانی کے غلام دیگر جانداروں پر ہر روز روا رکھتے ہیں۔ قدرت سے نازل شدہ آفتوں کو تو جاندار سہ بھی لیتے ہیں۔ اس کو اپنی غلط کاری کا نتیجہ خیال کر عقل مند انسان برداشت بھی کر لیتے ہیں۔ مگر اس جبر و ظلم کا برداشت کرنا قطعی محال ہے۔ جو ایک انسان کے ہاتھ سے دوسرے انسان یا جاندار حیوان پر وارد ہوتا ہے۔ صد افسوس۔ لوگ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ کسی انسان کا بھی حق نہیں ہے۔ کہ وہ اس جہان میں دوسرے جانداروں کے عذاب کا باعث بنے یا دوسرے انسانوں کے دل کو دکھائے* مالک کائنات کی نظر میں تمام جاندار یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ رحیم باپ کو سب بال بچے یکساں عزیز ہوتے ہیں اگر ایشور کم زور جانداروں کی ضرورت نہ سمجھتا۔ تو اُن کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اگر اُن کی حفاظت غیر لازمی خیال کرتا تو اُن کو بچاؤ کے سامان ہی عطا نہ کرتا۔ مگر ہائے انسانی جہالت اور خود غرضی

تیرا وجود اس دنیا سے غائب ہو۔جو ایک بھائی کو
دوسرے بھائی انسان پر وار کرنے کے لئے آمادہ کرتی
ہے۔ جو انسان کے دل کو اس قدر سخت اور بے رحم
بنا دیتی ہے کہ دوسرے انسان کی تکلیف کی مطلق پروا
نہیں کرتا۔اس کے رنج کو رنج ہی نہیں سمجھتا۔ اپنی
غرض نفسانی کا غلام اس کے دُکھ کو دُکھ ہی نہیں
خیال کرتا ÷

(۵) اہل دنیا کے واسطے اس رمز کا سمجھ لینا بہت
ضروری ہے کہ درگاہِ الہی سے رحمت انہی پر نازل
ہوتی ہے۔جو رحمت کا استحقاق پیدا کر چکے ہیں۔ قوانین
زندگی کا خون کرکے ہم رحمت خدائی میں داخل
نہیں ہوسکتے ہیں۔ خدائی فضل میں باریابی محض
ان ارواح کا حق ہے۔جو زندگی میں قانون کی پیروی
کرتے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں
اُن کے دُکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے عذاب
کو دور کرنے کی تدابیر کرتے ہیں۔ یہ اسی قسم کے نیک
دل لوگ ہیں جو اپنی مصیبت کے وقت امداد غیب سے
حاصل کر سکتے ہیں۔جن کے آزار کو دور کرنے کے
لئے قدرت خود بخود سامان مہیا کر دیتی ہے ÷
مگر جو لوگ اس زمین کو شکارگاہ تصور کر زندگی
اپنے بھائیوں اور دیگر جانداروں کی بے حرمتی اور

تخریب میں صرف کرتے رہتے ہیں وہ اپنی مصیبت کے وقت قدرت سے امداد نہیں پا سکتے ہیں۔ ان کا رونا پیٹنا محض بے سود جاتا ہے۔ دنیا میں ہم ہر طرف آہ و زاری کی آوازیں سنتے ہیں۔ لاکھوں انسان لا علاج بیماریوں سے چلاتے ہیں۔ مگر باہمہ وہ رحمت میں مشرف بار یابی نہیں حاصل کر سکتے ہیں +

درحقیقت ہم بذریعہ عدل ہی فضل اور رحمت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ قانون عدل کو پورا کرنے سے ہی ہم رحمت کے مستحق بنتے ہیں۔ دوسروں پر رحم کرنے سے ہی ہم اپنے اوپر رحم کی امید رکھ سکتے ہیں زندگی کا اعلےٰ مقصد عذاب کا فلسفہ دریافت کرنا ہے جسقدر اعلےٰ زندگی ہے۔ اتنی ہی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو مہاتما راحت ابدی میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کو بڑی سے بڑی بلاؤں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ خالص رحمت محض ان مہان آتماؤں کا ورثہ ہے۔ جو اپنے دل کو خود غرضی تنگ خیالی کم ظرفی کی تمام آلائشوں سے صاف کر چکے ہیں۔ جو ہر ایک مصیبت میں صابر۔ ہر ایک آفت میں مستقل مزاج رہے ہیں۔ جن کے حوصلہ کو سخت سے سخت مایوسی پست نہیں کر سکی۔ جو ہمالیہ کی طرح ہر ایک مصیبت کے سامنے کھڑے ہو گئے ہیں اور زندگی کے

کڑے سے کڑے امتحان میں کامیاب نکلے ہیں +

برہما کو سب سے پہلا حکم جو آغازِ پیدائش میں ملا تھا۔ وہ یہ ہی تھا۔ "تم تپ سکرو۔ تپ کرو۔ تپ سے ہی قدرت کے تمام رموز تم پر افشا ہو نگے" تپ ہی حقیقت میں تمام کامیابی کی چابی ہے۔ جو لوگ بلا تپ کے قدرت سے کسی فیض کی امید رکھتے ہیں۔ وہ یا تو مورکھ ہیں یا مخبوط الحواس ہیں۔ ہم بلا محنت کے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ ہر ایک برکت کو حاصل کرنے کے لئے استحقاق پیدا کرنا پڑتا ہے۔ مگر رحمتِ خدائی نازل ہوتے وقت ہم کو محض حق ہی ادا نہیں کرتی ہے۔ بلکہ ہر ایک خدمت کا معاوضہ سینکڑوں گنا دیتی ہے۔ ایک دانہ بونے سے سینکڑوں من اناج دستیاب ہوتا ہے۔ مگر جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ جو بوتا نہیں ہے۔ وہ کاٹتا بھی نہیں ہے۔ یہی قانون تمام طبقاتِ عالم میں موجود ہے۔ دولت اور اقبال ہمیشہ دان کا پھل ہے۔ جو خیرات ہم قدرت کو دیتے ہیں۔ اس کا سینکڑوں گنا معاوضہ حاصل کرتے ہیں جو شخص اپنی دولت مندی کے ایام میں اپنے روپیہ کو مقفل کر بند رکھتا ہے۔ اور اس کو اپنے مفلس بھائیوں کی تکلیف دور کرنے میں خرچ نہیں کرتا وہ یاد رکھے کہ اُس کی تنگ دستی کے ایام میں

دوسرے لوگ بھی اس کی امداد نہیں کریں گے ✣

دان یا خیرات کی وجہ تسمیہ

(۶) خیرات کا اصول ہر ایک مذہب میں موجود ہے۔ اور قدیمی حکمائے دین کی روحانی واقفیت کا پورا شاہد ہے۔ ہر ایک مذہب کے بانی نے اس کو لازمی اور ضروری فرض قرار دیا ہے جس کی ادائگی ہر ایک بشر کے واسطے شرط زندگی ٹھیرائی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قدیمی رہنمائے دین قدرت کے اعلےٰ قوانین زندگی سے پورے با خبر تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ بلا خیرات ہم قدرت کے فیض سے محروم رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آریہ رشی دان کی اس قدر تعریفیں کرتے ہیں واقعی اقبال مندی اور دولت ہمیشہ دان کا ہی پھل ہے۔ چنانچہ مہا بھارت میں آتا ہے ✣

दानेन प्राप्यते स्वर्गं दानेन भवति धनी दानेनैव लभ्यते दानेन
शत्रून जयति व्याधि दानेन नश्यति,
दानेन लभ्यते विद्या दानेन युवति जनः
धर्मार्थ काम मोक्षाणां साधनं परमं स्मृतम् ॥

دان سے ہی سورگ ملتا ہے۔ دان سے ہی دولت حاصل ہوتی ہے۔ دان سے ہی دشمنوں پر فتح

ملتی ہے۔ دان سے ہی بیماری جاتی ہے۔ دان سے
ہی ودیا ملتی ہے۔ دان سے ہی عورتیں ملتی ہیں۔ دھرم
ارتھ۔ کام۔ موکھشہ سب کا ذریعہ دان ہی ہے۔ اگر
آپ قدرت سے فیض کی امید رکھتے ہیں۔ اگر آپ کی
یہ خواہش ہے کہ ہماری مصیبت اور آفت میں ہم کو
غیب سے امداد ملے۔ اگر آپ کی یہ آرزو ہے کہ ہماری
مشکلات زندگی میں ہم پر رحمت نازل ہو اور زندگی
کے کار و بار میں ہم کو مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑے
اگر آپ آرزو رکھتے ہیں کہ اپنے ایام اس جہان میں
آرام سے کاٹ سکیں تو سخاوت کریں۔ دوسرے
بے کسوں کی امداد کریں۔ کسی کو آزار مت دیں۔

یہی وسائل ہیں۔ ان کے بغیر نہ آج تک کسی کو
آرام ملا ہے نہ ہی آیندہ مل سکتا ہے +

مالک کی رحمت

(۷) مالک قدرت رحیم و کریم
ہے۔ وہ رحمان اور غفور ہے
اعلےٰ ترین عفو اور رحم کا وہ
چشمہ ہے۔ یہ اُس کی رحمت ہی ہے کہ دنیا دار باوجود
اس کے قانون کو توڑنے کے اپنی ہستی اس زمین پر
رکھتے ہیں۔ اگر وہ رحیم نہ ہوتا۔ تو ایک بھی خطاکار کا
قیام اس جہان میں غیر ممکن تھا۔ وہ ایک مہربان
باپ کی طرح ہماری خطاؤں کو نظرِ ترحم سے دیکھتا

ہے۔ تازیانہ لگاتا ہے مگر ہمیشہ رحم بھرے دل سے سزا دیتا ہے مگر ہمیشہ محبت بھری نگاہوں سے۔ غرض خطاکار کی درستی ہے نہ کہ تباہی ہے۔ کیسا ہی گناہ گار ہو کیسا ہی خطاکار ہو۔ مگر جب وہ آبدیدہ ہو کر اس کے رحم کا ملتجی بنتا ہے۔ رحمت سے محروم نہیں رکھا جاتا ہے۔ کل کائنات میں محض یہ ایک ہی دربار ہے۔ جس میں ہر ایک معصوم کو پناہ ملتی ہے۔ ہر ایک جاندار کی فریاد غور سے سنی جاتی ہے۔ جہاں ہر ایک معاملہ انصاف کے کڑے ترازو میں پورے تول تلتا ہے۔ جس دربار سے کوئی سوالی آج تک مایوس نہیں پھرا۔ جس دربار میں مہاتما اور گناہ گار دونوں پناہ حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے ہی بد نصیب ہیں۔ جو اس دربارِ اعظم سے منحرف بن کر دنیاوی سامانوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ مالک کائنات کے قانون کو توڑتے ہیں۔ اور اپنی خطاکاری سے بچاؤ کے واسطے عارضی دنیاوی سامانوں سے حفاظت ڈھونڈتے ہیں۔ آؤ جس کی خطا کی ہے اس کے ہی دربار میں پناہ تلاش کریں۔ جس کا قانون توڑا ہے اس سے ہی بچاؤ کی درخواست کریں۔ ہمیں قوتِ برداشت عطا کی جاوے گی۔ اور ہم رحمت سے محروم نہیں رہیں گے ٭

مگر جو لوگ توبہ اور استغفار کے قانون کو نہیں سمجھتے
ہیں۔ اور اپنی خطاؤں کے واسطے جن کو وہ روز مرّہ
کرتے رہتے ہیں۔ منعم حقیقی کے دربار میں آبدیدہ ہوکر
رحم کی التجا نہیں کرتے ہیں۔ وہ رحمت کا کوئی بھی
حق نہیں رکھتے ہیں۔ جس دل میں توبہ اور استغفار
کا خیال موجود ہے وہ زندہ دل ہے۔ اس کو آیندہ
اس خطاکاری سے محفوظ رکھا جاوے گا۔ قدرت
ایسے حالات پیدا کر دے گی۔ جن میں وہ آیندہ اس
قسم کی غلط کاری سے بچ سکے اس کا اپنا دل اس
گناہ آلودہ فعل سے متنفر بن جاوے گا۔ اور اس کو
طاقت یا رحمت عطا کی جاوے گی۔ جس سے وہ
آیندہ اس قسم کی لہو و لعب کا مقابلہ کر سکے اور
اپنے نفسانی جذبات پر غالب آ سکے۔ یہی مالک
کی رحمت ہے *

لیکن جو لوگ یہ دعوے رکھتے ہیں۔ کہ وہ
بدی پر بدی کیے جاویں گے۔ قوانین قدرت کو
پاؤں کے تلے کچلیں گے۔ اپنی اغراض نفسانی کی
سیری کے سامان دوسرے جانداروں کو آزار دیکر
مہیا کریں گے۔ وہ بخوبی یاد رکھیں کہ جس غلاظت
کا انبار وہ اس قدر کوشش سے جمع کر رہے ہیں
وہ ایک دن ایسی مہلک بیماری پیدا کرے گا۔ جس کا

علاج کرنا ان کی طاقت سے باہر ہو جاوے گا۔اور ان کو اپنی کرتوت کی پاداشں میں مبتلا ہونا پڑیگا ہر ایک خلاف ورزی قانون یا بدی جو انسان سے سرزد ہوتی ہے۔ قدرت کے امن میں خلل انداز ہوتی ہے۔اس کے انتظام کو بگاڑتی ہے۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ قدرت اپنے خطاکار کو معاف کر دے +

بارانِ رحمت

(۸) جو لوگ مالک کے رحم سے منکر ہیں اور اس قدرت میں عذاب ہی عذاب دیکھتے ہیں وہ اپنی آنکھیں کھول کر قدرتِ حق کو دیکھیں کہ اس جہان میں کتنی ہی نعمتیں اور برکتیں ہیں۔ جو ہم کو مالک کی محض رحمت سے ہی حاصل ہیں۔ ہمارا کونسا حق ہے کہ ہم کو اس دنیا میں ہزاروں اقسام کی خوبصورت اشیائے دل بہلانے۔ ہماری سخت سے سخت تکلیف کو دور کرنے کے لئے عطا کی گئیں ہیں۔ خوبصورت باغات۔ دلچسپ نظارے۔ دلربا گلشن۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی پہاڑوں کی چوٹیاں۔ دریاؤں اور چشموں کی دل کش بہار یہ سب قدرت کے فیض میں داخل ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں ہماری زندگی محض مایوسی اور حسرت کی تصویر نظر آتی۔ گو دنیا میں ایسے مردہ دل بھی ہیں۔ جو ان قدرتی نعمتوں کے

لطف سے محروم رہتے ہیں۔ جن کو عروج اور غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی شعاعیں۔ بے انتہا سمندر کے عالیشان پانی کی خاموشی یا طوفان کی تیزی۔ جنگل میں پرندوں کا چہچہا۔ پہاڑوں کے برفانی قطعات کوئی لذت نہیں دے سکتے ہیں۔ مگر یہ ان کی اپنی بد قسمتی ہے۔ نہ کہ قدرت کی خوبصورتی پر دال ہے۔ قدرت خوبصورت ہے عالیشان ہے۔ اس کا ہر ایک نظارہ خوبصورتی کا مظہر ہے۔ اگر انسان کا دل درست ہو تو اس کو ہر ایک مخلوق زندگی کا آئینہ دکھلائی دے۔ اور قدرت کی ہر ایک چیز ایک الہامی کتاب معلوم ہو ÷

تونے صدف کو دُر دیا۔ اور دُر کو آب دی۔ گلشن کو پھول۔ پھول کو بوئے لاجواب دی۔ معدن کو لعل۔ لعل کو کیا آب و تاب دی۔ جو چیز دی کسی کو۔ غرض انتخاب دی ÷

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ
بوئے تھے کھیت وقت پر یا رب جہان نے
دیکھا نہ یہ کرم کبھی وہم و گمان نے
رحمت کی وہ لگائی جھڑی آسمان نے
اک اک کے لاکھ لاکھ کاٹے کسان نے
پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

پھولوں کو تو نے رنگِ رخِ ناز نین دیا
پتوں کو سبز خلعت مخمل عطا کیا
ہر ایک پھل کو بخشا ذائقہ جدا جدا
حق یہ کوئی کریم نہیں تجھ سا دوسرا
پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

جوہر نمو کا تو نے نباتات کو دیا
اور خاصہ سکون کا جمادات میں رکھا
انسان کو تو نے گوہر درنش عطا کیا۔
گویا کہ بحر فیض کو کوزے میں بھر دیا
پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

از کلام مہر

مسئلہ ارتقا اور رحم

(۹) مسئلہ ارتقا کے مقلد اہل سائنس بیان کرتے ہیں۔ اس قدرت میں زندگی کے قائم رکھنے کے لئے جدّ و جہد ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس جہان میں struggle for existence کا قانون ہے۔ اس جد و جہد زندگی میں محض وہی لوگ قائم رہ سکتے ہیں۔ جو اپنے ہم سفروں کو پاؤں کے تلے روند سکتے ہیں یا اپنے رقیبوں کو دھکیل سکتے ہیں۔ اس

جنگ و جدل میں (Survival of the fittest) نہایت لایق ہی قائم رہیں گے۔ باقی تمام لوگ تباہ ہو جائیں گے ؂

اخلاق کشتی باز مسئلہ حیات کا مخالف ہے۔ وہ رحم کی تائید کرتا ہے۔ قانون ارتقا کی حقیقت تسلیم کرتا ہے۔ مگر جنگ و جدل کے نام سے انکار کرتا ہے۔ نہ اس جنگ و جدل کی اس جہان میں کوئی ضرورت ہے۔ نہ ہی یہ دنیا اس غرض سے بنائی گئی ہے۔ کہ لوگ ایک دوسرے کو کچلا کریں یا ایک دوسرے کے جان و مال کی تاک میں لگے رہیں۔ اگر موجودہ دنیا میں اس قسم کی جنگ و جدل جاری ہے۔ تو یہ اسی قسم کے خیالات کی اشاعت کا نتیجہ ہے۔ اخلاق کی تعلیم کو دنیا میں اشاعت کا پورا موقعہ دو اور دیکھو۔ باہمی جنگ و جدل کا نام کس طرح معدوم ہوتا ہے اور انسان ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے کی بجائے کس طرح ایک دوسرے کی نیک خواہی اور بہبودی کے خواہاں ہوتے ہیں ؂

قانون ارتقا کی حقیقت آتما کی مخفی طاقتوں کا انکشاف ہے۔ "جیو آتما میں ہر ایک شکتی پہلے سے ہی موجود ہے۔ ایک چیونٹی میں وہ تمام طاقتیں مخفی موجود ہیں جو برہما میں عیاں ہیں۔ ندی سب جگہ زور سے ایک جیسی

بہتی جا رہی ہے۔ جو کسان اپنا کھیت والا تختہ (بند) اُٹھائیگا۔ اُس کے کھیت میں پانی فوراً بھر آئے گا۔

(یوگ درشن)

اور آتما ایک نہایت گٹھے ہوئے تار کی مانند ہے۔ وہ پھیلانا چاہتا ہے۔ جو اسباب اس کے انقباض کا باعث ہیں وہ گناہ (شر) ہیں اور جو اس کے وکاش (توسیع و انبساط) میں معاون ہیں وہ نیکی یا خیر ہیں۔ اب یہ اندرونی قوت انبساط ایوولیوشن (Evolution) کا باعث ہے۔ اودیا (جہل) کی بدولت جہاں اس کی مخالفت ہوئی۔ جدّ و جہد (Struggle) اور دُکھ (Pain) ظاہر ہوئے جیسی گنگا کی تیز دھارا کو چٹان یا پتھر جہاں مزاحم ہوئے۔ شور مچا۔ اور طوفان برپا ہوا +

جمادات۔ نباتات۔ اور حیوانات میں باعتبار انسان جہل فطری ہے۔ اس واسطے جمادات۔ نباتات۔ اور حیوانات کے اندر قوت انبساط کو مزاحمت کا پیش آنا لازمی ہے۔ اور جنگ و جدل یا جد و جہد کا ہونا پُر ضرور ہے۔ لیکن یہ جنگ و جدل اس کے صعود کا اصلی سبب نہیں ہے بلکہ ایک گونہ مانع ہے۔ جیسے جہاں کہیں گاڑی کی حرکت شروع ہو گی تحلیک رگڑ کا عمل ضرور ہو گا۔ لیکن یہ رگڑ حرکت کی معاون نہیں ہے +

آریہ لوگوں کے مطابق موجودات کے دیگر انواع کے مقابلہ میں انسان جہل فطری سے بہت کچھ آزاد ہے اور اس لئے اپنے افعال اور اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ گردانا جاتا ہے۔ جامۂ انسانی میں اندرونی قوت انبساط کی مزاحمت اسی حد تک ہوگی۔ جہانتکہ حیوانی جہل کی بو باقی ہے۔ اور یا جنگ و جدل کا باعث ہوگی۔ لیکن قوت باطنی ترقی اور صعود کا باعث ہوگی پس یہ نتیجہ نکالنا کہ ترقی اور صعود کا ذریعہ مقابلہ اور لڑائی ہے۔ محض غلط ہے + (سوامی رام)

قانون ارتقاء اور اخلاق

(۱۰) سوامی رام کے مفصلہ بالا الفاظ تائید کے محتاج نہیں۔ مگر تاہم ان لوگوں کی تسلی کے واسطے جو ڈاروِن (Darwin.) کے مسئلہ ارتقا کے مقلد ہیں یا انسانی ترقی کے واسطے بھی خون خواری یا "جسکی لاٹھی اسی کی بھینس" والے قانون کو لازمی خیال کرتے ہیں۔ یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ یہ قدرت جنگ و جدل کی ہرگز معاون نہیں ہے۔ یہ صلح اور امن کی طرفدار ہے۔ اور ان چیزوں کی ہستی بتدریج مٹاتی جاتی ہے جو اس کے امن اور انتظام میں خلل انداز ہوتی ہیں چنانچہ عالم حیوانات میں ہی جہاں سے سائنس دان اس مسئلہ کی تائید کے وسائل اور دلایل جمع کرتے ہیں

قدرت ان موذی جانداروں کی نسلیں گم کرتی جاتی ہے جو اپنی پرورش دوسرے جانداروں کی جان و جسم کی ہلاکت سے کرتے ہیں۔ خون خوار جانوروں کی تعداد دن بدن کم ہوتی جاتی ہے۔ جبکہ معصوم جانور روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ بھیڑئیے گم ہوتے جاتے ہیں جبکہ بھیڑیں بڑھتی جاتی ہیں۔ موذی سانپوں کی کئی نسلیں غائب ہو چکی ہیں۔ اور آئندہ کم ہوتی جاتی ہیں۔ یہی حال دیگر خون خوار درندوں کا ہے +

اب عالم حیوانات سے انسانی دنیا میں اس صداقت کا امتحان کریں۔ سوامی رام لکھتے ہیں "ایک وہ دن تھا کہ یونانیوں کے دَل بادل لشکروں کی تنگ و تاز سے زمین کانپتی تھی۔ آج فیلقوس اور سکندر کے نام کی کہانی باقی رہ گئی ہے۔ ایک وہ دن تھا سلطنت روما کا شاہین روئے زمین کے تقریباً ہر مقام پر لہراتا تھا آج قیصروں (Caesars.) کے تخت گاہوں پر مکڑیاں جالے تن رہی ہیں۔ ایک وہ دن تھا۔ کہ افراسیاب۔ فریدون اور کیکاوس کی بے شمار فوجوں اور سیم ستوران سے پہن دشت میں "زمین شش شد و آسمان گشت ہشت" کا معاملہ ہو رہا تھا۔ آج وہی مٹھی بھر رستم جی اور سہراب جی وغیرہ فارس سے جدا ہو کر ہندوستان میں گذارہ کر رہے ہیں مغلوں کا

چمکتا چاند بھی دو دن کی آب و تاب دکھا کر بالکل ماند ہو گیا۔ **بیت**

پردہ داری میکند بر قصرِ قیصر عنکبوت
بوم نوبت میزند بر گنبدِ افراسیاب

لیکن وہ قوم جو یونانیوں کی روشنی کا منبع تھی۔ وہ قوم جو اس وقت موجود تھی۔ جب سلطنت روما کا بنیادی پتھر بھی نہیں قائم ہُوا تھا۔ اور جبکہ زمانہ حال کی مہذب اقوام کے آبا و اجداد برہنہ تن پھرتے تھے۔ وہ قوم جس کے آغاز کا پتہ لگانے میں تاریخ کی آنکھیں پھٹتی ہیں۔ وہ قوم اپنے ملک میں بیس کروڑ موجود ہے۔ اور بڑھتی پھیلتی رہیگی۔ کیوں؟ کیونکہ ان کا ہر ایک کلام "اوم آنند" سے شروع ہوتا ہے اور شانتی! شانتی!! شانتی!!! پر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ بجائے جنگ و جدل کے ویراگ اور تیاگ ان کا ہتھیار ہے۔ کیونکہ بجائے اور ملکوں کو فتح کرنے کے اپنے آپ کو فتح کرنا ان کا معراج (ideal.) ہے۔ رحمت الہٰی اس قوم کے سر پر ہے۔ اور رہے گی"

دیا دھرم کا مول ہے

(۱۱) یہ ایک غلط فہمی ہے کہ اس قدرت میں جس کی لاٹھی اسی کی بھینس والا قانون چلتا ہے۔ قدرت انصاف اور عدل کی معاون ہے۔

اس کا ہر ایک ذرہ عدل کی بدولت قائم ہے۔ ہر ایک جبر یا تشدد اس کے انتظام میں بے اعتدالی پیدا کرتا ہے اور قدرت ان قوتوں کو یکے بعد دیگرے پاش پاش کر دیتی ہے۔ جو اس کے انتظام میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ یہ اپنی حفاظت کا بہترین طریق خود جانتی ہے اور عمل میں لاتی ہے*

دیا دھرم کا مول ہے۔ وہ دل واقعی مکروہ ہے جو دوسروں کے ستانے میں اپنی لذت سمجھتا ہے۔ وہ پایۂ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ اس کے اندر ابھی حیوانی خون خواری کا خاصہ موجود ہے۔ وہ اس قانون سے ناواقف ہے۔ کہ اس دنیا میں ہر ایک شخص کو اس کے نیت کے مطابق مراد ملتی ہے۔ عادات ہی اس زندگی میں اور اس کے بعد موت میں ہماری قسمت کا فیصلہ کرواتی ہیں۔ جیسا کوئی بوتا ہے۔ ویسا ہی پھل کاٹتا ہے۔ جس قسم کی عادات کا کوئی شخص خوگر بن جاتا ہے۔ وہ زندگی اور موت میں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ عادات ہی ہمارے واسطے جنت یا دوزخ طیار کرواتی ہیں۔ اور ہر ایک شخص کو موت کے بعد اسی قسم کے حالات میں لا کھڑا کرتی ہیں۔ جن کا وہ خوگر بن چکا ہے۔ خون خوار عادات زندگی اور موت میں انسان کے امن و آرام

کو تباہ کر ڈالتی ہیں۔ وہ ہر طرف سے قدرت کو اپنے خلاف لڑائی کے واسطے آمادہ دیکھتا ہے۔ ہر ایک چیز سے اس کو خوف و وہم کی تصویر نظر آتی ہے۔ وہ قدرت کے خلاف آمادہ پرخاش رہتا ہے۔ اور قدرت اس کے خلاف اپنی تمام طاقتوں سے آمادہ جنگ رہتی ہے۔ اور ہر طرح سے اس کے جسمانی اور روحانی آرام کو تباہ کرتی رہتی ہے ❊

خیال رکھیں۔ اس دنیا میں جہاں ہم ہر طرف مصیبت اور آفت سے محصور ہیں۔ رحم کی کس قدر ضرورت ہے۔ اس نیک وصف کے اظہار سے ہم اس دنیا کی تکالیف کس قدر کم کر سکتے ہیں۔ جو جو شخص اپنے ایک بھائی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خاموش رہتا ہے۔ وہ واقعی گناہ کرتا ہے۔ اسکا فرض بلحاظ انسان ہونے کے یہ ہے کہ وہ اس کی تکلیف کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔ جو خود غرض یہ خیال کرتا ہے کہ اپنے بھائی کی مصیبت سے اسے کیا واسطہ ہے۔ وہ بالکل نادان ہے۔ وہ دن دور نہیں ہے۔ جبکہ وہ خود اسی قسم کی مصیبت میں مبتلا ہوگا اور اس وقت اپنی امداد کے واسطے وہ کوئی پناہ نہیں حاصل کر سکے گا۔ ہم دوسروں پر رحم کرنے سے حقیقت میں اپنے پر رحم کرتے ہیں دوسروں کا دکھ دور

کرنے سے ہم در اصل اپنا دکھ دور کرتے ہیں ✤ یاد رکھیں شجاع ہمیشہ رحم دل ہوتے ہیں۔ بہادر ہمیشہ دیاوان ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کے دکھ کو محسوس کرتے ہیں۔ اور بلا قصور کسی پر وار نہیں کرتے ہیں۔ اور وار کرتے وقت بھی انصاف اور رحم دلی سے کام لیتے ہیں۔ وہ کمینہ ہتھیاروں کو کبھی پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ برخلاف اس کے ریاکاری۔ فریب دہی ہمیشہ بزدلوں کا شیوہ ہے۔ اسی واسطے بزدل ہمیشہ مکّار ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کمینگی اور ریاکاری کو اپنا اوزار بناتے ہیں ✤

جلوۂ رحم

(۱۲) موجودہ زمانہ کے لوگ روحانی طاقتوں کے اثر سے بالکل واقف نہیں رہے ہیں وہ نہیں جانتے ہیں۔ کہ انسان کے آتما میں کیسی کیسی عجیب و غریب لطافتیں مخفی موجود ہیں جن کا انکشاف حضرت انسان کی پہنچ میں ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی کدورت دل کو صاف کر قدرت سے کام لینے کا اصلی طریق جان جائے۔ جو لوگ ریل یا تار برقی کے معجزات پر حیران ہوتے ہیں۔ کاشکہ وہ جانتے ہوتے کہ انسان خود کتنے معجزات کا مصدر ہے۔ انسانی عقل سے ریل و تار کے اصول دریافت کر لینا چنداں حیرت خیز

واقعہ نہیں۔ مگر انسانی اخلاق کی تکمیل سے قدرت کی نہایت موزی اور خوفناک طاقتوں کو قابو کر لینا واقعی ایک طلسم ہے جس کا راز دریافت کر لینا کسی مہان آتما کا ہی کام ہے۔ جس نظر سے ہم قدرت کو دیکھتے ہیں اسی نظر سے یہ ہم کو دیکھتی ہے جس قسم کی نگاہ سے ہم دوسرے جانداروں کو دیکھتے ہیں۔ اسی قسم کی نگاہ سے وہ ہم کو دیکھتے ہیں = اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو اس جہان میں کسی قسم کا آزار یا گزند نہ پہنچے تو آپ کسی جاندار کو آزار نہ دیں۔ اگر کوئی تنگ دل بے رحم اپنی ذاتی کدورت سے آپ پر وار بھی کرے گا تو قدرت کی محافظ طاقتیں آپ کے بچاؤ کا سامان مہیا کر دیں گیں اور آپ کو آسیب و نقصان سے محفوظ رکھیں گی۔ منو مہاراج کا قول کیسی خوبصورت صداقت کا اظہار کرتا ہے ؛

"جو اس سنسار میں ایکتا ہی کو دیکھتا ہے۔ اس کو کسی سے خوف و ہراس کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا۔ جو کسی کو آزار نہیں دیتا۔ جس کے دل سے آزار دینے کا خیال دور ہو جاتا ہے۔ اس کے سامنے کائنات کی تمام آزار دینے والی طاقتیں شانت ہو جاتی ہیں"

پس تمام سرشٹی کو (अभयदान) دو۔ اپنی ذات کی طرف سے سب کو بے خوف کر دو۔ اور اس معصومیت کا پھل دیکھو۔ تمام درندے اور موزی حیوان آپ کی معصومیت کی قدر کریں گے۔ قدرت آپ کو بے خوف کر دے گی۔ اس کی تمام آزار دینے والی طاقتیں آپ کے مواجہ میں خاموش ہو جاویں گی۔ یہی انسانی زیست کا معراج ہے۔ جس شخص نے اس معراج کو اپنی زندگی میں حاصل کر لیا ہے۔ وہی عارف کامل ہے۔ وہی معجزہ گر بنی ہے۔ وہی مہاتما ہے +

باب سوئم

فصل اوّل

قانونِ خیال

कामसय एवायं पुरुष इति। सयथाकामो भवति तत्क्रतु भवति। यत्क्रतु भवति तत्कर्म कुरुते। यत्कर्म कुरुते तदभि सम्पद्यते ॥

(वृहदारण्यक)

بے شک یہ انسان خواہشات کا بندہ ہے۔ جیسی خواہش
کرتا ہے۔ اسی طرح کی مزاج یا میلانِ طبع ہو جاتی ہے
میلان کے مطابق ہی وہ فعل کرتا ہے۔ اور جیسا فعل
کرتا ہے اسی طرح کے پھل کو پاتا ہے۔" اُپنشد۔

"اعلےٰ انسان وہ ہیں جو اس بات کو دیکھتے ہیں
کہ دماغی طاقت مادی طاقت سے زیادہ زور دار
ہے۔ اور خیال ہی دنیا کی حکومت کرتا ہے۔" ایمرسن۔

قانونِ زندگی کی واقفیّت دنیا کا تمام عذاب رفع کردیگی

(۱) اس جہان میں جس قدر عذاب دکھ درد ہے۔ وہ حضرت انسان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ مالک کائینات نے عذاب ہرگز پیدا نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی یہ اس کا منشا ہے۔ کہ اس کی مخلوقات عذاب کی زندگی بسر کرے۔ اور لوگ اس جہان کو جنگ گاہ قائم کر ایک دوسرے کی تخریب کے درپے رہیں۔ دنیا میں جس قدر عذاب و مصیبت ہے۔ یہ قانون زندگی سے لاعلمی یا لاپرواہی کا ہی نتیجہ ہے جس قدر ظلم یا آزار دہی ہم اس جہان میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ وہ سب ان لوگوں سے صادر ہوتی ہے۔ جو اپنی زندگی کے متعلق قوانین سے بالکل بے خبر ہیں۔ اگر ہم کسی قصاب کو آج یہ تبلادیں کہ جس جانور کے گلے پر وہ آج چھری پھیر رہا ہے۔ وہ جانور کل اس سے انتقام

کا موقعہ حاصل کرے گا۔ اور قدرت اس کو اس
آزار دہی کے معاوضہ میں اسی قسم کے عذاب میں
مبتلا کرے گی تو وہ قصاب آج ہی اس غلیظ کام سے
توبہ کر دے گا۔ اور کوئی دوسرا معصوم پیشہ جو ہر ایک
قسم کی آزار دہی سے خالی ہے اختیار کرنے کی سعی
کریگا۔ ویسے ہی ہم اگر کسی جابر انسان کو یہ ثابت
کر دیں کہ جس مخلوق کو وہ آج آزار دے رہا ہے۔
وہی مخلوق قدرت سے اس آزار دہی کا پورا بدلہ لینے
کا موقعہ حاصل کریگا تو وہ شخص اس ناپاک فعل سے
اسی وقت باز آجائیگا۔ اور اسی طرح اس جہان سے
باہمی آزار دہی اور عذاب کا بھی خاتمہ ہوگا+

اس دنیا میں ایسے زمانے ہو چکے ہیں۔ جبکہ قانون کرم
کا علم عوام الناس کی ملکیت بنا دیا گیا ہے۔ اور ہر ایک
بشر کو اس سے فیض یاب ہونے کا موقعہ دیا گیا
ہے۔ ایسے اوقات میں جو نیک نتائج اس علم کی واقفیت
سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا ثبوت ویدک دھرم اور بدھ
دھرم کی تاریخ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے +

یہ دنیا جائے معلول ہے۔ اس میں ہم تاثرات
اور حادثات کا ظہور اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کرتے
ہیں۔ مگر اُن کی علت ہماری نظروں سے ہمیشہ غائب
رہتی ہے۔ یہ ہی ایک وجہ ہے کہ انسان انہیں جان سکتے

ہیں۔ کہ کس کرم کی ان کو سزا یا جزا مل رہی ہے ہر ایک وقوعہ یا حادثہ جو اس جہان میں واقع ہوتا ہے۔ اپنی وجہ یا علت رکھتا ہے۔ جو لوگ ہر ایک واقعہ قدرت کو اتفاقیہ کہکر ٹال دیتے ہیں۔ وہ حقیقت میں قانون زندگی سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ اس قدرت کو اندھیر نگری ہی خیال کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن کا محض باطل زعم ہے قدرت اپنے اسباب زندگی یا پیدایش کو ہماری نظروں سے غائب رکھتی ہے۔ وہ ہر ایک پودہ طیار کرکے باہر نکالتی ہے۔ لیکن جس طریق سے اس پودہ کے رگ و ریشہ بنتے ہیں۔ جس طرح سے بیج رگ و ریشہ کی صورت میں منتقل ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ ویسے ہی بچہ بن کر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح سے اُس کے اعضائے جسمانی یکے بعد دیگرے بنائے گئے ہیں۔ ایک عضو دوسرے کے بعد طیار کیا گیا ہے۔ یہ تمام علم ہمارے مشاہدہ سے باہر ہے۔ غذا ہر ایک متقوی شخص کو ہضم ہوجاتی ہے۔ لیکن جس طریق سے معدہ اس کو ہضم کرتا ہے قدرت اس کو ہمارے روبرو افشا نہیں کرتی۔ بس یہی عمل قدرت کے تمام ظہورات میں ہوتا ہے۔ اس جہان میں جن مصیبتوں سے ہم اپنی زندگی کو تلخ پاتے ہیں وہ تمام در اصل کسی وجہ سے ہیں اگرچہ

ان کی علت نمائی یا اصل وجہ ہم کو موجودہ حالات میں معلوم نہ ہو سکے۔ مگر قدرت اپنے کسی علم کو بھی مہر لگا کر بند نہیں رکھتی۔ اور نہ ہی یہ اس کی خواہش ہے کہ حضرت انسان لا علمی میں رہکر عذاب سہتا رہے۔ البتہ قدرت کے باریک روحانی رموز کو سمجھنے کے لئے دلی پاکیزگی اور خالص نیک نیتی درکار ہے اور جو نیک سیرت پارسا ان نیک اوصاف سے آراستہ ہوکر قدرت کے پردہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ وہ علم حقیقت سے کبھی محروم نہیں رہتے۔

قانون کرم کی واقفیت جسقدر آرام اور راحت کا موجب بن سکتی ہے۔ جس قدر فائدہ اس علم کی معلومات سے ممکن ہے۔ وہ در حقیقت کسی دیگر ایجاد سائنس یا ہنر سے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ ریل تار۔ ایکس ریز۔ توپ بندوق کے عجوبات۔ بجلی کی روشنی صنعت اور حرفت کی سینکڑوں اختراعات اس علم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اس علم کی صحیح تحقیقات سے انسانی زندگی کا تمام نقشہ پلٹ سکتا ہے۔ اور یہ دنیا بجائے عذاب کی قیام گاہ رہنے کے مسرت اور راحت کی آرام گاہ بن سکتی ہے۔ جہالت اور گناہ لازم ملزوم ہیں۔ جس طرح سے تاریکی اور گم راہی لازم ملزوم ہیں

اندھیرے میں غلطی ہوتی ہے۔ اوجالا کر دو راستہ صاف دکھلائی دیتا ہے۔ ویسے ہی علم کی روشنی سے انسانی دماغ کو منور کر دو۔ پھر غلطی کا امکان نہیں رہتا۔ سُقراط کا مشہور قول بے خطا صداقت ہے "جہالت بدی ہے علم نیکی ہے" ہمارا مشن اس زندگی میں قانون زیست کی اشاعت ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نیک کام نہیں ہوسکتا ہے۔ ودیا دان دو اس سے بڑا کوئی دان یا فیض نہیں ہے +

قوت خیال کی طاقت

(۲) قانون زندگی میں خیال وہی حیثیت یا طاقت رکھتا ہے۔ جو ایک مطلق العنان بادشاہ اپنے ملک میں رکھتا ہے۔ خیال ہی اس تمام جہان کے تمام امور پر قادر اور حکمران ہے۔ جو کچھ ہم کو نظر آرہا ہے۔ اور جو کچھ قدرت نے ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ وہ سب کچھ خیال ہی کا ظہور ہے۔ دنیا کی تمام ساخت اور پرداخت کا مصدر قوتِ خیال ہے۔ جس عالی شان مکان کو دیکھ کر ہم حیران ہوتے ہیں۔ جس خوبصورت کتاب کو مطالعہ کر ہم اپنے دل میں نئی زندگی کی جھلک نمودار پاتے ہیں۔ اسکا نقشہ پہلے کسی دماغ میں موجود تھا۔ ہر ایک تصویر کا نقشہ مصوّر پہلے اپنے دماغ میں بناتا ہے۔ ہر ایک

عمارت کا نقشہ انجنیر یا مستری پہلے اپنے دماغ میں قائم کرتا ہے۔ ہر ایک کتاب کا مصنف پہلے اپنے خیالات کو اپنے دماغ میں ترتیب دیتا اور یکجا کرتا ہے۔ پھر قلم پکڑ کر اُن کو معرضِ تحریر میں لاتا ہے۔ کوئی فعل بلا خیال ممکن نہیں ہے۔ جس قدر عمدہ اور خوبصورت خیال ہے۔ اسی قدر نیک اور خوبصورت عمل وہ پیدا کرتا ہے۔ ناپاک خیال کا نتیجہ ناپاک عمل اور پاک خیال کا نتیجہ پاکیزہ عمل ہوتا ہے۔ چونکہ ہماری قدرت ایک مکمل پاک روح کا ظہورِ خیال ہے۔ اسی واسطے اس کائنات میں عذاب اور گناہ کی سرشت نہیں ہے۔ اور اس جہان کا تمام دُکھ حضرت انسان کی اپنی پیدائش ہے ✣

اگرچہ یہ سچ ہے کہ انسان کا ہر ایک خیال اسقدر زبردست نہیں ہوتا کہ اسی وقت عمل کی صورت میں منتقل ہو سکے۔ مگر مطابق حالات کے ظہور پہ اس کا عمل کی شکل میں ہویدا ہونا لازمی ہے۔ ان مطابق حالات کے ظہور سے پیشتر وہ اپنی طاقت ان حالات کے پیدا کرنے میں خرچ کرتا رہتا ہے اور آخر اپنی طاقت سے قدرت سے ایسی قوتوں کو کشش کرنے اور یکجا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جو اس کے عملی ظہور کو آسان بنا سکیں۔ تمام امور دنیا میں اسی

اصول پر صادر ہوتے ہیں۔ خواہ ان سے دنیا کی بھلائی مقصود ہو یا برائی مراد ہو ÷

ہر ایک سنگین جرم دنیا میں ظاہر ہونے سے پیشتر اپنے عامل کے دماغ میں خیال کی صورت میں پیدا ہوتا ہے عامل اس خیالِ جرم کو پکاتا رہتا ہے اور اس خیال کی طاقت سے ہی وہ ایسے حالات کو کوشش کرتا رہتا ہے۔ جن میں اس خیال فاسد کو وہ عملی صورت دے سکے۔ ان حالات کا فائدہ اٹھانے میں بھی اس کا وہ زبردست خیال ہی اس کا اعلےٰ مددگار بنتا ہے۔ چنانچہ قوت خیال ایسے اوقات یا موقعات جلدی بہم پہنچا دیتی ہے۔ جن میں وہ بد خیالات صورت عمل میں نمودار ہو سکیں ÷

ہر ایک عادت خیال سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ بار بار دہرانے یا پختہ کرنے سے ہر ایک خیال عادت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ قدرت میں عجیب قانون ہے۔ جن عادات کا ہم کو غلام بن کر اس جہان میں رہنا پڑتا ہے۔ جن عادات کے ہم مطیع اور فرمان بردار رہنے کے واسطے مجبور ہوتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ وہ سب ہمارے خیالات کا ظہور ہیں۔ وہی خیال جس کا پیدا کرنا یا نہ کرنا ایک وقت ہمارے اختیار میں تھا۔ اب حاکم بن کر ہم کو

طرح طرح کی مشکلات میں ڈال رہا ہے۔ ہر ایک عادت
کی والدہ خیال ہی ہے۔ وہ زنجیر جس کو اب ہم
توڑنا محال معلوم کرتے ہیں۔ اور جس کے بندھن
میں ہم گرفتارِ بلا ہیں۔ در اصل ہمارا اپنا طیار کردہ
ہے۔ جو لوگ عاداتِ بد کے غلام ہیں۔ اور اپنی حماقت
سے قسمت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کاش کہ وہ
اس علم سے باخبر ہوتے +

یہ یاد رہے کہ جو عادات انسان اپنی زندگی میں
بنا لیتے ہیں۔ وہی عادات بعد از موت ان کے ساتھ
چلتی ہیں زندگی اور موت پہ ایک ہی قانون حکمراں
ہے۔ اور قدرت اپنا ہر ایک حساب دونوں طبقات
میں یکساں لیتی ہے۔ ہم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے
کہ جو عادات ہم اس جہان میں بنا لیتے ہیں۔ وہ اس
دنیا کی نسبت دوسرے جہان (طبقہ موت) میں آسانی
سے ٹوٹ جاویں گی۔ اگر کوئی شخص ارادتاً یہاں کسی
قسم کی عادت کا خوگر بن گیا ہے۔ تو وہ یاد رکھے۔
یعنے جسمانی قالب کے چھوڑنے سے وہ اس عادت
سے رہائی نہیں حاصل کر سکے گا۔ قدرت میں تمام
جگہ قانون علت و معلول چلتا ہے۔ جو کچھ ہم بوتے
ہیں۔ وہی کاٹتے ہیں۔ نہ صرف اس زندگی میں بلکہ
تمام زندگیوں میں۔ جو شخص دنیاوی سامانوں کا غلام

بن چکا ہے۔ وہ اپنے قالب جسمانی کو چھوڑنے کے بعد اپنی خواہشات میں مقید رہیگا۔ ماسوائے اسکے وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا موقعہ بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ عادت کا غلام وہ اپنی خواہشات کو دوسری جانب میں نہیں لے جا سکے گا۔ جبکہ وسائل کی عدم موجودگی اس کو سخت اقسام کی زحمت میں مبتلا کرتی رہے گی۔ شاید یہ زحمت اپنے مال و اسباب کو دوسروں کے ہاتھ سے تباہ ہوتے دیکھ کر اور بھی زیادہ ہو" ریلف والڈو ٹراین +

ہم جنس ہمیشہ ہم جنس کو کشش کرتا ہے

(۳) یہ یاد رہے کہ نیک خیالات ہماری پراویٹ جائداد ہیں جن سے کوئی طاقت سورج کے تلے ہم کو محروم نہیں کرسکتی ہے۔ ان نیک خیالات سے ہم ہر ایک مقابلہ زندگی میں امداد حاصل کر سکتے ہیں ہر ایک بدی کا صحیح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اپنی مصیبت اور آفت میں ان سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ اور آخر ایسے حالات کو قدرت سے کشش کر سکتے ہیں جن میں وہ مصیبت یا آفت خود بخود دور ہو سکے +

اس کے برعکس ہر ایک بد خیال ہمارے دل اور دماغ پر وہی اثر رکھتا ہے۔ جو کہ زہر ہلاہل انسان کے

جسم پر کرتا ہے۔ یہ دل اور دماغ کی تمام طاقتوں کو منتشر کر دیتا ہے۔ ہماری صحت روحانی کو ضائع کر دیتا ہے۔ اخلاقی صحت کی معدومی پر تمام روحانی حسیّن آہستہ آہستہ بے کار بنتی جاتی ہیں۔ جوں جوں گناہ کا خیال بڑھتا جاتا ہے۔ دل کے تمام نیک جذبات غایب ہوتے جاتے ہیں۔ طبیعت میں پراگندگی اور پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔ شانتی مفقود ہوتی جاتی ہے ہر ایک چیز سے ناپاک دل کو حسرت۔ مایوسی اور خوف کی تصویر نظر آتی ہے۔ ایک بد خیال کرہ ہوائی سے دوسرے خیالات فاسد کو کشش کرتا ہے وہ قدرت سے اپنے مطابق غذا تلاش کرتا ہے اور پاتا ہے۔ چنانچہ دوسرے لوگوں کے بد خیالات کو جو کرہ ہوائی میں موجود رہتے ہیں۔ اپنے طرف کشش کرتا ہے۔ اور اب اس کا وہ خیال کئی گنا زیادہ زور دار بن جاتا ہے۔ حتّےٰ کہ دل کا تمام کرہ گندے اور ناپاک خیالات سے بھر جاتا ہے۔ غلاظت آخر جمع ہوکر موادِ فساد پیدا کرتی ہے۔ اور گناہ گار کو ایسے جرائم کا مصدر بناتی ہے جوکہ تمام دنیا کو حیرت اور پریشانگی میں ڈال دیتے ہیں *

قانون ہمیشہ کام کرتا ہے۔ خواہ ہم اس سے واقف ہوں یا ناواقف ہوں۔ ہم سب خیال اکٹھے بڑے سمندر

میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہمارے ارد گرد کرہ ہوائی ہمیشہ خیال کی طاقت سے بھر رہا ہے۔ جو ہر طرف اپنی تمام قوت سے موج زن ہے۔ خیال کی اس طاقت سے ہم نا معلوم طریق پر متاثر ہو رہے ہیں جس قدر ہمارے اندر محسوسیت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی قدر زور سے ہم بیرونی تاثرات کو حاصل کرتے ہیں ہم بیرونی دنیا سے انہی قوتوں اور طاقتوں کو کشش کرتے ہیں۔ جو ہمارے خیالات کے عین مطابق ہوں اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمیشہ نوجوان رہیں۔ اور اپنی جوانی کی خوشی کو بڑھاپے میں ساتھ لے جاویں تو اس بات کے ہمیشہ محتاط رہیں کہ آپ اپنی خیالی زندگی میں کس طرح بسر کرتے ہیں۔ گوتم بدھ کا قول صادق الہام ہے۔ دل ہر ایک طاقت کا منبع ہے۔ جو کچھ تم خیال کرتے ہو وہی تم بن جاتے ہو،، رسکن کا یہ قول یاد رکھنے کے قابل ہے ،، اپنے واسطے نیک خیالات کا گھر بناؤ۔ ہم لوگ خیال کی طاقت سے واقف نہیں ہیں۔ ہم نہیں جانتے ہیں کہ کیسے عالی شان گھر خوبصورت خیالات کے ہم بنا سکتے ہیں۔ جو تمام مصیبت کے مقابلہ میں ہم کو تسکین دے سکتے ہیں ،، تم ہمیشہ اپنے جسم میں اپنے دل کی طاقت کو نشوونما دے رہے ہو

تمہارے دل کے جذبات تمہارے جسم پر پورا اثر کرتے ہیں۔ نہ صرف تمہارے جذبات ہی تمہارے جسم کو بناتے ہیں۔ بلکہ باہر سے بھی اسی قسم کے جذبات تمہارے ساتھ کشش کرتے ہیں۔ ہم جنس کو ہم جنس ہمیشہ کشش کرتا ہے۔ اگر تمہارا خیال روشن۔ شاد محبت آمیز ہے۔ تو اسی قسم کی بیرونی طاقت تمہاری جانب کشش کرتی۔ اگر تم غمگین۔ افسوس زدہ مایوس ہو۔ تو اسی قسم کی برقی رَو تمہارے اوپر غلبہ جماتی ہے۔" ریلف والڈو۔ٹراین +

ہم اپنی طاقت سے اپنی مصیبتوں کا علاج کرسکتے ہیں

(۴) اگرچہ افلاس مہلک امراض۔خوفناک حادثات۔جن سے انسانی زندگی پُر از عذاب دکھلائی دیتی ہے۔ بسا اوقات انسانوں کے پچھلے کرموں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جن پر وہ اسوقت قادر نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور جن کے نتائج کو وہ روک نہیں سکتے ہیں۔ مگر ہم کو قادر مطلق نے ایسی طاقتیں عطا کی ہیں۔ جن کے کام میں لانے سے ہم ان تمام تکالیف کا اثر اپنے اوپر بہت کچھ کم کر سکتے ہیں۔ یا اپنے آپ کو ان تکالیف کے آسیب سے محفوظ کر سکتے ہیں۔ یہ واقعی منعم حقیقی کے رحم میں

واخل ہے۔ کہ اس نے انسان کو ایسی طاقتیں عنایت کی ہیں۔ جن کے بجا استعمال سے وہ اپنی ہر ایک مصیبت کو راحت میں بدل سکتا ہے۔ اور اپنے ہر ایک عذاب سے بجا فائدہ حاصل کر سکتا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ان طاقتوں کا علم ہر ایک انسان کے قبضہ میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہر ایک بشر کی یہ پہنچ ہیں ہے۔ کہ وہ ان طاقتوں سے کام لینے کا طریق سیکھ سکے۔ یہی وجہ اس دنیا کے بے انتہا عذاب کی ہے۔ یاد رکھیں۔ دنیا میں ہر ایک قسم کی ترقی خیال کی طاقت پر منحصر ہے۔ جس قسم کی حالت میں ہم اپنے دل کو رکھتے ہیں۔ اسی قسم کی قوت کو ہم غیب سے کشش کرتے ہیں۔ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ یہ قانون تمام قدرت میں موجود ہے۔ جو لوگ شکستہ دل اور غمگین رہتے ہیں۔ جو ہمیشہ اپنے ادبار کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ یا دوسروں کی اقبال مندی کو نگاہِ حسد اور رشک سے دیکھتے ہوئے دل میں ہی جلتے رہتے ہیں۔ وہ کسی معاملہ میں بھی کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔ اور آخر کسی پر بوجھ بن کر اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ پس کسی مصیبت میں خواہ وہ کیسی ہی خوفناک ہو۔ شکایت اور گلہ کا لفظ زبان پر مت لاؤ۔ جو وقت اس طرح صرف کرنا ہے۔ اس کو ایسے

سامانوں کے سوچنے میں خرچ کرو۔ جن سے وہ مصیبت دور ہو سکے۔ ان تمام سامانوں کو یک جا کرنے کی تدابیر سوچو۔ اگر وہ تمہاری پہنچ سے باہر ہیں۔ تو دل میں ان کا مضبوط خیال قائم کرو۔ اپنے آپکو اقبال مند۔ صحت اور با راحت دیکھو۔ اپنے دل کے اعتقاد سے اس خیال کو پانی دیتے رہو۔ کم زور اور پست خیالات کو ہرگز نزدیک مت آنے دو۔ اس طرح تم اپنے آپ کو ایسی مقناطیس میں تبدیل کر سکوگے جو ان تمام چیزوں کو یک جا کر دے گی جن کی تم خواہش رکھتے ہو" ❊

جو لوگ امید سے ہمیشہ زندہ اور خوش باش رہتے ہیں وہ قدرت سے اپنی کامیابی کے سامان کشش کرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں جو شخص اپنے وقت کو شکایت میں صرف کرتا ہے۔ وہ اپنے ادبار کے سامان جمع کرتا ہے۔ اس قدرت کا مالک واقعی رحیم ہے۔ اس نے سنگین سے سنگین آفت میں کوئی راستہ ہمارے بچاؤ کا چھوڑا ہوا ہے۔ ہر طرف سے مخالف حالات کا سامنا ہو۔ چاروں اطراف سے انسان محصور ہو۔ مگر ان تمام تکالیف میں بھی قدرت ایسا راستہ پیش کر دیتی ہے جس سے ہم بچ کر نکل سکیں۔ گو اس راستہ کا حصول ہماری نیک نیتی اور عقلمندی پر منحصر ہے۔ قدرت ہمیشہ

ایسے اشخاص کی امداد کرتی ہے۔ جو اس کے قانونِ صداقت کے مطابق اپنی زندگی کے تمام معاملات میں کام کرتے رہے ہیں۔ اور جن کو تکلیف بلا قصور اپنے کسی بھائی انسان کی بے رحمی یا جبر سے پہنچی ہے ‡

مہاپرشوں کی خصوصیت

(۵) جو شخص دنیا میں ایک طاقت بننا چاہتا ہے۔ اور اپنے خیالات کی طاقت سے دوسروں کو متحرک کرنا چاہتا ہے۔ اس کے واسطے لازمی شرط ہے کہ وہ پہلے اپنے آپ کو طاقت ور بنا لے اور اپنے آتما کی ہم آہنگی ایسی قوتوں کے ساتھ پیدا کر لے جو اس کو ہر ایک وقت پر امداد دے سکیں۔ دنیا کی تاریخ کو سمجھ سوچ کر پڑھیں۔ جن آتماؤں نے زمانہ کو نئے ڈھنگ میں ڈالا ہے۔ جن مہاتماؤں کے خیالات لاکھوں کروڑوں ارواح کے واسطے موجب شانتی اور سنتوش کا ہوئے ہیں۔ جن کے جادو آمیز کلمات نے دنیا داروں کو زندگی اور موت کے خوفناک سے خوفناک مرحلے کے طے کرنے میں امداد دی ہے۔ یہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو طاقت ور بنا چکے تھے۔ اپنے دل کا مرکز معلوم کر چکے تھے۔ اور اپنے آتما کو ایسی حالت میں لے آئے تھے۔ جس میں وہ قدرت کی تمام اعلےٰ طاقتوں کو اپنی طرف کشش کر سکتے تھے۔ یہ مہان آتما دنیا میں بیہودہ

شور شر نہیں مچاتے ہیں۔ اپنا وقت دوسروں کی عیب جوئی یا خاک اوڑانے میں صرف نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ان تمام عیوب سے پاک وہ اپنے دل کو ایسا شانت رکھتے ہیں۔ کہ دنیا کی کوئی مصیبت انکی شانتی کو مضطرب نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ انکے پاک خیالات جہاں جہاں پڑھے جاتے ہیں۔ دنیا میں جادو اور طلسم کا حکم رکھتے ہیں۔ بھارت کے قدیمی رشی یاجوراتین۔ پاتنجل۔ بھرگو۔ مارکنڈے۔ وسشٹ۔ شُک دیو۔ جیسے مہان آتما اسی قسم کے مبارک ارواح ہیں ☆

وہ آتما ہمیشہ ہی مکروہ رہیگا۔ جو دوسروں کی عیب جوئی یا اپنی خود پسندی میں مبتلا ہے۔ دونوں عیوب یکساں خطرناک ہیں۔ دوسروں کی عیب جوئی کرنے سے ہم اپنی غلاظتِ نفسی کا ثبوت دیتے ہیں ہم ظاہر کرتے ہیں کہ ہم میں دوسروں کی نیک اوصاف دیکھنے کی قابلیت نہیں ہے۔ ہماری آنکھ ہمیشہ اُن کے دل و جسم میں جذام کی طرف لگی رہتی ہے۔ ہم اپنے عیوب سے خواہ کیسے ہی سنگین ہوں۔ بالکل قطع نظر کرتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ ایسی منقاطیس میں تبدیل ہوتے جاتے ہیں۔ جوکہ دوسروں کے عیوب کو خود بخود کشش کرتی جاتی ہے۔ ان اسباب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہمارے اپنے عیب بڑھتے جاتے ہیں۔ جیسے کہ

وہ ایک لا علاج صورت بیماری پیدا کر دیتے ہیں۔
عین یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جو خود پسندی
میں بتلا اپنی تعریفیں یا خوشامدیں کروانے میں
اپنا وقت ضائع کرتا ہے ایسا شخص اپنے عیوب سے
بالکل لا پرواہ رہتا ہے۔ اپنے دماغ میں بے ہودہ
خیالات کو پکاتا رہتا ہے کہ میرے جیسا شخص مالک
جہان نے دوسرا پیدا ہی نہیں کیا خود بینی اور خودنمائی
اس کے دل و دماغ کو بالکل تاریک کردیتی ہے۔ آخر
قدرت اس پر صداقت کا دروازہ بند کردیتی ہے وہ اپنی
تنگ خیالی کے باعث نور زندگی سے محروم بن جاتا ہے
ایسی حالت کے ظاہر ہونے پر وہ حسیں آہستہ آہستہ
ضائع ہو جاتی ہیں۔ جن سے انسان نیکی اور بدی میں
تمیز کر سکتا ہے یا جن سے وہ دوسروں کے نیک خیالات
سے مستفید ہو سکتا ہے +

"انسان جس طرح سوچتا ہے۔ ویسا ہی بن جاتا ہے
ظاہری انسان در اصل باطنی انسان کا عکس ہے
انسان کی ہر ایک عادت یا خصلت اس کے آتما
کا عکس ہے۔ عادات۔ حرکات۔ سکنات سے ہم
بخوبی بتلا سکتے ہیں۔ کہ کس شخص کا آتما کس حالت
میں ہے۔ یا قالب جسمانی چھوڑنے پر اس کی کیا
حالت ہوگی۔ ہر ایک شخص کے بیرونی سامان کو

اس سے علیحدہ کر سکے اس کی اصلی قابلیت روحانی کا امتحان کریں اور دیکھیں دنیا میں ان انسانوں کی تعداد کس قدر کم ہے۔ جن کا آتما غلاظت جہان سے مبرا ہے۔ اور ہر ایک قسم کے جھوٹ فریب۔ مکر و حیلہ سازی سے بالکل متنفر ہو چکا ہے۔ ایسے ہی مہاں آتما اس دنیا میں دوسروں کے واسطے روشنی کا کام دیتے ہیں "دنیا کا سچا ہادی وہ نہیں ہے۔ جو کہ دنیا داروں کے سامنے صداقت کا رہنما بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ (جو اپنی تعریفیں کرنے سے یا دوسروں کی بدگوئی کرنے سے صداقت کا ٹھیکہ دار بنتا ہے) بلکہ سچا ہادی وہ ہے جو اپنے مقلد یا معتقد کو اس کی اپنی ذات کے متعلق علم سکھلا دیتا ہے تاکہ وہ اپنا ہادی آپ بن سکے۔ باقی تمام گرو یا نبی یا تو ذاتی اغراض سے کام کرتے ہیں یا شہرت اور دولت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ جو شخص یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ وہ صداقت کا ٹھیکہ دار ہے وہ یا تو متعصب ہے یا بے وقوف ہے یا جاہل ہے"۔ (نرائن)

قانون فعل اور انفعال

(۶) اس قدرت میں ہر ایک فعل کا انفعال ہے۔ ہر ایک قوت خواہ بجلی ہو یا روشنی ہو۔ آواز ہو یا حرارت ہو ظاہر ہو۔ تو وقت اپنا دورہ یا چکر بناتی ہے۔ جس طرح

تالاب میں کنکر پھینکنے سے حلقۂ آب پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک قوت اپنا چکر قائم کرتی ہے۔ چنانچہ بیڑی میں قوت برقی کا رو جس جگہ سے نکلتا ہے۔ آخر اپنا اپنا دورہ ختم کر اسی جگہ آن پہنچتا ہے۔ جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ یہی حال قوتِ خیال کا ہے۔ جو ان تمام طاقتوں سے جن کا علم اس وقت تک انسان کو ہو سکا ہے۔ اعلےٰ ترین طاقت ہے۔ انسان کا ہر ایک خیال اس کے دل سے پیدا ہوتے وقت کسی قسم کی قوت یا (energy.) کو پیدا کرتا ہے۔ یہ قوت ایک برقی طاقت سے متاثر ہوتی ہے۔ اور اپنا دورہ وہاں ہی پہنچکر ختم کرتی ہے جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ پس جس قسم کی قوتِ خیال کو ہم اپنے اندر سے نکال کر دوسروں کی جانب روانہ کرتے ہیں۔ وہی قوت اپنا دور ختم کر ہماری جانب واپس آتی ہے۔

ہر ایک قسم کا بد خیال پیدا ہوتے اپنے فاعل کو مجروح کرتا ہے۔ اول ہی اول وہ اس کی شانتی کو معدوم کرتا ہے۔ ہر ایک بد خیال پہلے غضب کی آگ اپنے عامل کے اندر لگاتا ہے۔ پھر وہ عامل اس غضب ناک آتش کو دوسروں کی جانب

ان کو زخمی کرنے کی نیت سے پھینکتا ہے۔ دوسرا شخص جس کی جانب یہ قہرناک آگ پھینکی گئی ہے اس کو موڑتے وقت اس کے ساتھ اپنے بد جذبات کی آگ بھی ملا دیتا ہے۔ اسی واسطے مراجعت کرتے وقت وہ ہی بد خیال پہلے کی نسبت زیادہ خوفناک ہوتا ہے اور ضرر رسان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ غضب یا غصہ کے جذبات اس جہان میں ایسے خوفناک حادثات کا مصدر ثابت ہوئے ہیں جن کا قیاس اور گمان بھی عامل کو پہلے نہیں گذرا تھا +

بد جذبات جسمانی بیماریوں کے مصدر ہیں

(۷) ہر ایک بد خیال کسی سفلی یا ادنےٰ جذبہ کو متحرک کرتا ہے۔ غصہ اور غضب کے جذبات کو ذرا اپنے دل کے نزدیک آنے دیں۔ سارے جسم کی حالت بدل جاتی ہے۔ تمام جسم کانپنے لگ جاتا ہے۔ ہر ایک عضو میں لرزہ چھا جاتا ہے۔ بعض انسان ان جذبات کے ایسے مطیع بن جاتے ہیں۔ کہ وہ خودکشی کر بیٹھتے ہیں یا دوسروں کو مار دیتے ہیں۔ یہی حال جذبۂ شہوت کا ہے۔ اس فاسد جذبہ کے نمودار ہونے پر انسان وحشی یا حیوان بن جاتا ہے۔ انسانی عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔ اور وہ ایسے افعالِ شنیعہ کا مرتکب بنتا ہے۔ جن کا نام لیتے ہوئے

شرم آتی ہے۔ اور تحریر کرتے ہوئے قلم کانپتی ہے۔
خوف اور دہشت جسم کے ہر ایک عضو کو نکما کر
دیتا ہے۔ دنیا میں غالباً ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس سے
ہم کو اس قدر دُکھ ملتا ہے جتنا دہشت سے ملتا ہے۔
تمام جسمانی امراض کی یہ جڑ ہے۔ تمام تفکرات کی یہ
والدہ ہے۔ ایک فاضل تحریر کرتا ہے۔ "ہمارے پاس
کئی ثبوت اس بات کے موجود ہیں کہ والدہ کے اندر
غصہ کے بد جذبہ کے پیدا ہونے پر تھوڑی ہی دیر
میں اس کے دودھ پینے والے بچے کی موت واقع ہوگئی
غصہ دودھ میں زہر پیدا کر دیتا ہے۔ اور بچے کی موت
کا باعث بنتا ہے۔ تمام حالتوں میں یہ سخت اقسام کی
امراض اور لا علاج بیماریوں کے پیدا کرنے میں انجام
دیتا ہے۔ ذیل کے تجربات ایک مشہور سائینس دان
سے لئے گئے ہیں" بعض آدمی ایک گرم کمرے میں
رکھے گئے ہیں۔ ہر ایک آدمی کسی قسم کے جذبہ کے ماتحت
اپنے دل کو لاتا ہے۔ مثلاً ایک غصہ کو۔ دوسرا حسد و
کینہ کو اپنے دل میں غالب کرتا ہے۔ ڈاکٹر ہر ایک کے
پسینہ سے ایک قطرہ لیتا ہے۔ اور وہ پسینہ سے ہی
تبلا سکتا ہے کہ کس قسم کے جذبہ سے وہ شخص متاثر
ہو رہا ہے۔ ایک مشہور امریکن ڈاکٹر لکھتا ہے۔ دل
جسم کا قدرتی محافظ ہے۔ ہمارا ہر ایک فعل اپنا اثر جسم پر

کرتا ہے۔ نفس پرستی۔ حسد و کینہ۔ شرارت کے خوفناک جذبات روح میں جذام پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ جذام جسم میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بد جذبات نہ صرف جسم کو چند گھنٹوں میں کمزور ہی کر دیتے ہیں بلکہ موت اور جنون کا شکار بنا دیتے ہیں۔ ایک قاتل کے جسم کے پسینہ اور معمولی پسینہ میں کیمیائی فرق ہے۔ غصہ یا وحشت سے یرقان پیدا ہوتا ہے۔ ایک رات بھر کی تشویش زندگی کو برباد کر دیتی ہے۔ غم۔ حسد۔ فکر کے جذبات دیر یا بنکر پاگل بنا دیتے ہیں۔ ہر ایک بیماری بد جذبات میں پرورش پاتی ہے۔ اور ہر ایک جرم کا اصلی مخزن انسان کا دل ہے۔ رلیف والڈو ٹرائین +

(۸) مسکین مظلوم کی طاقتِ خیال

غریب۔ معصوم یا اناتھ کی آزار ہی ہر ایک مذہب اور ملت میں گناہ ٹھہرائی گئی ہے۔ ہر ایک مذہب اور فرقہ کے ہادی نے اس کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور اس سے پرہیز کرنے کی خاطر بار بار ہدایت کی ہے۔ مگر ہمارا فرض محض انسانوں کو آزار دینے سے ہی باز رکھنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر جاندار ذی روح کی حفاظت کرنا ہمارا خالص فرض ہے۔ ہر ایک جان اس قدرت میں مفید ہے اور قیمتی ہے۔ کسی جاندار کو ستانا گناہِ کبیرہ ہے۔ حیوان بھی جان رکھتے ہیں۔ اور

اپنے دُکھ کو ویسا ہی محسوس کرتے ہیں جیسے کہ ہم
اپنی تکلیف کو۔ اگرچہ بے زبان ہونے کی وجہ سے
اس کا اظہار ہمارے سامنے صاف الفاظ میں
نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر تاہم اپنے اشارات یا جسمانی
حرکات سے وہ صاف صاف بتلا دیتے ہیں کہ اُنکو
دُکھ ہم سے کم محسوس نہیں ہوتا ہے۔ شیخ سعدی
سچ فرماتا ہے۔ ؎

میازار مورے کہ دانہ کش است
کہ جان دارد و جاں شیریں خوش است

اخلاق کے ایک اعلےٰ معلم کا قول ہے ؎

دل میازار ہرچہ خواہی کُن
کہ در طریقتِ ما بیش ازیں گناہے نیست

جو لوگ اپنی شہ زوری میں غریبوں اور مسکینوں
کو ستاتے ہیں اور ان پر جبر و تشدّد روا رکھتے ہیں
وہ حقیقت میں قانون زندگی سے بالکل بے خبر ہوتے
ہیں۔ کسی مسکین کا حق نہ ادا کرنا یا اُسپر ظلم و ستم
روا رکھنا کسی غریب کو اس کے استحقاق سے جبراً
محروم کر دینا یا اس سے بد سلوکی سے پیش آنا واقعی
گناہ کبیرہ ہے۔ کاشکہ اس جہان کے لوگ اس علم سے
باخبر ہوتے کہ اس قدرت کا فریاد رس ہر ایک بے کس
مسکین مظلوم کی آہ کو کان لگا کر سُنتا ہے۔ [illegible] کی

داد رسی کے واسطے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ جن سے دنیا دار بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ بھگت تلسی داس جی کا قول ہے "تلسی آہ غریب کی ہر سے سہی نہ جائے"
قدرت ہمیشہ اپنا لیکھا لیکر چھوڑتی ہے۔ یہ سب انتظام بذریعہ قوت خیال ہوتا ہے۔ معصوم اپنے خیال کو اعتقاد کی طاقت سے پانی دیتا رہتا ہے۔ وہ اپنے دکھ درد کو دل ہی میں محسوس کرتا ہے۔ بیرونی دنیا وی سامانوں سے حفاظت حاصل کرنے کے ناقابل وہ دل ہی میں روتا رہتا ہے۔ انسانوں سے داد رسی پانے سے مایوس وہ آتما کی طاقتوں سے کام لیتا ہے اور اس دربارِ اعظم میں فریادرس ہوتا ہے۔ جہاں ہر ایک جاندار کی فریاد ہمیشہ غور سے سُنی جاتی ہے۔ اس کا اعتقاد یا وشواش اس کے خیالات کو اور بھی طاقت دیتا رہتا ہے۔

اس کے جذبات کی دھاریں مہلک اثر اختیار کر لیتی ہیں۔ اور اس کے جابر حریف کی طرف اپنی پوری طاقت سے حملہ آور ہوتی ہیں۔ اس کے جسمانی اور روحانی اجزا زندگی کو منتشر کر ڈالتی ہیں۔ اس کی صحت کا ستیاناس کر دیتی ہیں۔ ان کے ہی سبب سے ظالم اپنے آپ کو ایسی مہلک امراض میں مبتلا پاتا ہے۔ جن سے اس کی زندگی وبال بن جاتی ہے۔

اس وبالِ زندگی سے نہ تو وہ رہائی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے علاج کرنے میں کامیاب ہوتا ہے دنیا کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیں۔ عین یہی نقشہ ان لوگوں کا رہا ہے۔ جو اپنے بھائی انسانوں کو ستاتے اور آزار دیتے رہے ہیں۔ قدرت جن طاقتوں سے کام لیتی ہے۔ وہ خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ مگر اس کے انتظام میں فرق نہیں آ سکتا۔ پس خیال کی مدد سے کم زور سے کم زور انسان اپنے جابر سے جابر حریف کو پامال کر سکتا ہے۔ شاعر اسی حقیقت کا اظہار ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

قوت خیال کے عملی نتائج

(۹) قوت خیال سے دنیا میں بہت سے کام لئے گئے ہیں۔ اور ان میں حیرت دہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ مضبوط نیک خیال۔ لا علاج امراض کے دور کرنے میں ایسی امداد کرتا ہے کہ کسی نسخہ یا دوائی سے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ یہ ہمارے جسم کے رگ و ریشہ کی تبدیلی میں پوری مدد دیتا ہے۔ جس قسم کا خیال ہے اسی قسم کا مادہ یہ بیرونی دنیا سے کشش کرتا ہے۔ اور اس کو جسم کی بناوٹ میں لگاتا ہے۔

علم خیال کی طاقت سے ہم کمزور اور برباد شدہ مادہ کو خارج کر کے قدرت سے طاقتور اور مفید اجزاء مادہ کو کشش کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی علم کی مدد سے روحانی ڈاکٹر سخت سے سخت امراض کا علاج کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں +

ماں کے خیالات حالت حمل میں بچے پر پورا اثر کرتے ہیں۔ حالت حمل میں جو تصاویر والدہ کے سامنے آتی ہیں۔ جس قسم کے خیالات اُس کے دل پر غالب رہتے ہیں۔ وہ سب بچے پر اپنی تاثیر رکھتے ہیں اور اس کی جسمانی ساخت اور ترتیب دماغ میں حیرت خیز طریق سے مددگار بنتے ہیں +

خیال کی طاقت دنیا میں سب سے زبردست طاقت ہے۔ یہ روح کی اپنی طاقت ہے۔ اس واسطے محیط ہے۔ اور عالم گیر ہے۔ اس کے تاثرات لافانی ہیں۔ ہماری موت کے بعد ہمارے خیالات ویسے ہی قائم رہیں گے اور ان آتماؤں میں اپنا اثر ضرور محسوس کروائینگے جو ہم سے ہم آہنگ ہونگے +

ہمیں یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اہل اسلام یا عیسائی اقوام کی دنیاوی ترقی کا ایک اعلٰے راز اکٹھے مل کر مسجدوں یا گرجاؤں میں نماز پڑھنا یا عبادت کرنا ہے اہل اسلام کی پچھلی ترقی اور عروج یقیناً اسی طاقت کا

نتیجہ تھا۔ وقتِ عبادت میں سب معتقد روحانی شغل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت کے واسطے سب اپنے ناپاک جذبات کو دبائے رکھتے ہیں اور سب کے اندر ایک قسم کی روحانی جھلک بموجب اسکی دلی صفائی کے پیدا ہو جاتی ہے۔ پاک اور زبردست خیالات کی دھاریں کرہ ہوائی میں سب طرف ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جو ہر ایک معتقد کے دل و دماغ کو طاقت اور نور بخشتی ہیں۔ چنانچہ یہی طاقت زیادہ محسوس کرنے والوں پر ایک حیرت وہ اثر کرتی ہے۔ اور ان کو ہر ایک قسم کی قربانی کرنے کو طیار کر دیتی ہے۔ مذہبی شہادت کی یہی علت غائی ہے +

جس قدر ہماری طاقت محسوسیت زیادہ یا کم ہوتی ہے اسی نسبت سے ہم دوسروں کے خیالات یا بیرونی تاثرات کو قبول کرتے ہیں۔ صحبت کی تاثیر اسی اصول پر مبنی ہے جن آدمیوں کے حلقہ میں ہم بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کے نیک و بد خیالات ہمارے اوپر اپنا اثر جماتے رہتے ہیں اور ہم ایک نا معلوم طریق سے ان کے نیک و بد جذبات کو اپنے اندر داخل کرتے جاتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں ایسے طاقتور بہت ہی تھوڑے انسان ہوتے ہیں۔ جو اپنے دل کی قوتوں پر ایسے قادر ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کے ناپاک خیالات کا مقابلہ کر سکیں

اور ان کی دھاروں کو روک سکیں۔ اس واسطے جس قسم کے آدمیوں کی صحبت میں انسان بیٹھتا ہے۔ اس قسم کی عادات اور حرکات کو وہ عموماً اختیار کرتا جاتا ہے +

باہمی خورد و نوش یا اکٹھے مل کر کھانے پینے میں یہی نقص ہے۔ ایسے اوقات میں قوتِ اشتہا سے محسوسیت اور بھی بڑھتی ہے۔ اور ایک ہی دستر خوان پر بھوجن کھانے سے انسان ایک دوسرے کے جذبات ادنےٰ کو جو ایسے وقت میں خاص طور پر متحرک ہوتے ہیں۔ اپنے اندر داخل ہونے کا موقعہ دیتے ہیں۔ جو لوگ ہم نوالہ و ہم پیالہ بن جاتے ہیں۔ وہ عموماً ایک ہی طرح کے نفسانی خیالات سے متاثر ہوتے ہیں انکے روحانی جذبات یکے بعد دیگرے غایب ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ ادنےٰ خواہشات لیتی جاتی ہیں۔ پس اس عمل سے روحانی اور دنیاوی دونوں اقسام کی ترقی رُک جاتی ہے +

جس شخص کے ہاتھ سے ہم بھوجن کھاتے ہیں۔ ہمیں اس کے خیالات کا خاص طور پر محتاط ہونا چاہیئے۔ اگر وہ ادنےٰ جذبات یا سفلی خواہشات سے متاثر ہے تو وہ یقیناً ہمارے اندر ان جذبات کو متحرک کرنے کا باعث ہوگا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا

چاہئے کہ ہم الگ کھانے پینے سے باہمی نفرت یا رنجش نہیں پیدا کرتے ہیں۔ نفرت یا محبت کا اظہار دوسری طاقتوں یا قوتوں کے عمل میں لانے پر منحصر ہے۔ نہ ہی ہم ادنےٰ انسان کے ہاتھ سے بھوجن نہ کھانے سے اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ ان طریقوں سے ہم اپنی روحانی اور اخلاقی حفاظت کرتے ہیں۔ جس سے ہماری زندگی کا قیام ہے ٭

کرم کا پھل اٹل ہے

۱۰۔ ہمارا مقصد اہل دنیا کو قانون زندگی سے باخبر بنا دینا ہے۔ ان کے دل پر اس صداقت کو نقش کر دینا ہے کہ ہر ایک شخص اپنے اعمال اور افعال کے واسطے ذمہ وار اور جواب دہ ہے۔ جیسا انسان بوتے ہیں۔ ویسا ہی کاٹتے ہیں۔ نہ صرف اس زندگی میں بلکہ تمام زندگیوں میں۔ موت کے بعد کی حالت محض ان خواہشات اور عادات کا ثمرہ ہے۔ جو ہم اس جہان میں قائم کر چکے ہیں۔ اس قدرت میں ایسی زندہ طاقتیں (دیوتا) موجود ہیں جو ہمارے افعال اور اعمال کو بخوبی جانتی ہیں جو ہر ایک شخص کے دل اور آتما کی حالت کو بخوبی پڑھ سکتی ہیں۔ جن سے پوشیدگی ناممکن ہے۔ اور جن کو وہ کھا دینا احاطۂ

امکان سے بالکل باہر ہے۔ یہ طاقتیں ہمارے ہر ایک کرم کا پھل مطابق حالات میں دیتی رہتی ہیں۔ اپنی خواہشات کے مطابق ہی ہم بیرونی قدرت سے طاقتوں اور تاثرات کو کشش کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کے پورا کرنے کے بندوبست میں مصروف رہتے ہیں۔ قدرت ہماری زندگی کا انتظام ہمارے ہی خیالات۔ خواہشات۔ اعمال کے مطابق کرتی رہتی ہے۔ قدرت کی منتظم طاقتیں نہ تو ہماری شر زوری سے خائف بنکر خاموش ہو سکتی ہیں۔ نہ ہی ہماری جہالت یا لحاظ کی خاطر اپنے انتظام کو تبدیل کر سکتی ہیں۔ قدرت میں معذرت یا معافی کا نام ندارد ہے۔ جو گیند ہم قدرت کی دیوار کی جانب پھینک چکے ہیں۔ اس کا انفعال لازمی شرط ہے۔ کوئی بشر اپنے کرم کے نتیجہ سے کسی طاقت کی بدولت بھی بچ نہیں سکتا ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے پس کسی کرم یا فعل کو کرتے وقت اس بات کو بخوبی سوچ لو کہ اس کا انجام تمہاری ذات کیواسطے کیا ہوگا۔ ان متعلقین پر اُس عمل کا کیا اثر ہوگا جن کی خاطر تم کسی پاپ کے مرتکب بنتے ہو۔ یہ یاد رکھو زندگی کی سب سے اعلےٰ نعمت نہ دولت ہے۔ نہ زر و مال ہے۔ نہ دنیاوی ثروت ہے۔ بلکہ صادق دلی

نیک نیتی۔ معصومیت ہیں جو کہ ہم کو اس جہان میں
ہر ایک قسم کی تکالیف سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اور اس
جسمانی قالب کے ترک کرنے پر ہم کو ایسی راحت
میں داخل کرتی ہیں۔ جس راحت کے مقابلہ میں اس
جہان کے تمام عیش و آرام بالکل ناچیز ہیں *
یہ بخوبی ذہن نشین کر لو کہ جو روپیہ ایمانداری اور
اور خالص دیانت داری سے حاصل نہیں کیا گیا
ہے۔ وہ ہرگز آرام کا موجب نہیں ہوگا۔ وہ انسان کو
اس قسم کے جنجال میں مبتلا کر دے گا۔ جس سے
رہائی ناممکن بن جائے گی۔ جب تک وہ اس کے
پاس رہے گا۔ ہمیشہ بے چینی۔ بے امنی کا موجب رہیگا
جس کام میں وہ اس کو خرچ کرے گا۔ وہاں سے نئی
مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر وہ کسی تجارت
یا بیوپار میں لگائیگا۔ تو اس سے اس قدر نقصان ہوگا
کہ اس کا سمبھالنا اس کی طاقت سے باہر ہو جائیگا۔
ما سوائے ان تمام عذابات کے وہ اس کی عقل کو
تاریک کر دے گا۔ اس کی ضمیر کو کچل دے گا۔ اور
اس روپیہ کی طاقت پر وہ ایسے افعال کا مرتکب
ہوگا۔ جو انسانیت کے بالکل برخلاف ہونگے۔ اور
اس کی عزت اور حرمت کا بالکل ستیاناس کر دینگے
ان تمام بلاؤں کا خوف نہ کھا کر جو شخص بے ایمانی سے

روپیہ کماتا ہے۔ وہ واقعی یا تو نادان ہے یا مخبوط الحواس ہے ٭

پریم کی طاقت

(۱۱) جس نظر سے ہم دوسروں کو دیکھتے ہیں اسی نظر سے وہ ہم کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہم دوسروں کی جانب نفرت۔ انتقام کینہ۔ حسد کے خیالات کی دہاریں روانہ کرتے ہیں تو وہ بھی اس کے معاوضہ میں ہماری جانب اسی قسم کے خیالات کو متحرک کرتے ہیں اور طرفین کے اسی قسم کے مہلک جذبات سے قدرت میں اندھیر مچتا ہے۔ اور فریقین کے عذاب کا باعث بنتا ہے +

دنیا میں عظمت کے مختلف درجے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنا پیمانہ رکھتا ہے۔ اور اسی کے مطابق دوسروں کی لیاقت یا قابلیت کو ماپتا ہے۔ ہر ایک کی دنیا نرالی ہے۔ اس کے محسوسات بھی نرالے ہیں۔ مگر ہماری رائے میں مہا پرش یا بڑا آدمی وہ ہے۔ جو ہر ایک بدی کا مقابلہ نیکی سے کر سکتا ہے۔ جو نفرت کے جواب میں محبت دیتا ہے۔ جو گالی کے جواب میں اشیر باد کہتا ہے۔ جو کہ اپنے دشمن کو بھی خیر باد بولتا ہے۔ خواہ دنیا دار ایسے مہا پرش کو کسی نام سے یاد کریں۔ مگر ہم اس کو مہان آتما کہیں گے۔ اس نے عظمت انسانی کی سب سے بڑی شرط پوری کر دی

ہے۔ اس نے اس جہان کی تمام بدی پر فتح حاصل کر لی ہے۔ اس کے دل سے کدورت صاف ہو چکی ہے۔ اس کے آتما سے انتقام یا کینہ پروری کا بد خیال نکل چکا ہے۔ وہ ہر ایک انسان کے ساتھ خواہ وہ کیسا ہی جابر ہو۔ برتاؤ کر سکتا ہے۔ اور اس برتاؤ میں وہ ہی کامیاب ہوگا۔ وہ ایک گرے ہوئے آتما کو کھڑا کر دے گا مُردہ دل کو زندہ کر دے گا۔ دشمن کا بھی بھلا ہی کرے گا +

یاد رکھیں بدی کے جواب میں بدی کرنے سے ہم اپنی کمینگی کو ظاہر کرتے ہیں ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہم بھی ایسے گرے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہمارا حریف ہے۔ ہم اپنی زندگی کے واسطے ایک نئی مصیبت گھڑتے ہیں۔ اپنے دل کے واسطے ایک نیا فکر و اندیشہ پیدا کرتے ہیں۔ جبکہ بدی کے جواب میں نیکی کرنے سے ہم اپنے واسطے عافیت کا توشہ جمع کرتے ہیں۔ اپنے دشمن کو معاف کر دینے سے ہم اپنا حساب صاف کر دیتے ہیں ہماری ذمہ داری وہاں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ باقی مالکِ قدرت جانے۔ اور اس کا انتظام جانے +

دنیا کی تمام مصیبتوں کا صرف ایک علاج ہے

(۱۲) اس دنیا کی تمام مصیبتوں - آفتوں کا صرف ایک علاج ہے - تمام مہاتماؤں - پیغمبروں - نبیوں نے جو آج تک اس جہان میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوئے ہیں - اسی نسخہ سے دنیا داروں کی تمام تکالیف کا علاج کیا ہے - یہ نسخہ ایسی طاقت سے ہم آہنگی ہے جو خود غم و فکر - عذاب اور غلطی سے بالکل مبرّا ہے - جو فنا اور تبدیلی سے معرّا ہے - دائم الراحت ہے - جو آنند سروپ ہے گیان مئے ہے - نرگن اور ابناشی ہے - نیاء کاری اور دیالو ہے - نرنجن اور نروکار ہے - جب تک انسان کا آتما ایسی طاقت کے ساتھ ہم آہنگی نہیں پیدا کر سکتا - وہ زندگی اور موت کے بے انتہا عذاب سے رہائی بھی نہیں حاصل کر سکتا - اسی وجہ سے ہر ایک مذہب میں ایشور اوپاسنا یا عبادت کے مختلف طریق بتلائے گئے ہیں - رشیوں کی سندھیا کی یہی علت غائی ہے کہ ہمارا آتما اس گیان شکتی - آنند کے بھنڈار پرماتما سے ہم آہنگی پیدا کر سکے اور اس جیتھہ نا قتناہی فیض سے ان قوتوں کو حاصل کر سکے - جن سے وہ اس دنیا کے تمام معاملات میں کامیاب ہو - جس شخص یا قوم نے اس بھنڈارہ

سے ہم آہنگی پیدا کرنے کا علم جان لیا ہے اس نے اپنی زندگی اور ہستی کا سوال حل کر لیا ہے۔ بھارت کی قدیمی عظمت کا یہی اعلےٰ راز تھا۔ یہ افسوس ہے کہ دنیا اس زمانہ میں مادی تاثرات کے ماتحت زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ ان قوانین سے بالکل بے خبر ہے۔ ایسی صورت میں یہ لازمی نتیجہ ہے کہ زندگی عذاب بنے اور نت نئی مصیبتیں انسانی دنیا پر نازل ہوں ÷

پس آؤ اپنی زندگی ہم اس کوشش میں صرف کریں۔ کہ قدرت کا اصلی منشا ہستی پورا ہو۔ انسانی زندگی برکت فیض کا باعث بن جائے۔ قدرت ہمارے ساتھ اپنی ہمدردی مکمل طور پر ظاہر کر سکے مالک قدرت کا مقصد پیدائش پورا ہو۔ اور انسان سب آپس میں بھائی بھائی بن ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اپنے باپ کے دربار میں صف آرا کھڑے ہوں اور متفق ہو کر۔ اپنی میٹھی سُریلی آواز سے یہ گاتے ہوں "وہ جو سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا ہے اور کل مخلوقات کا انتر آتما ہے جو اس ایک روپ پرکرتی (مادہ) کو انیک روپ بناتا ہے ایسے وِبھو کو جو پاکیزہ خاطر انسان اپنے اندر ملاحظہ کرتے ہیں۔ انکو ہی راحت دائمی ملتی ہے۔ کٹھ اُپنشد ÷

یہی زندگی کا مقصد ہے۔ اسی کی خاطر مذہب اور سائینس کا وجود ہے۔ یہی تعلیم دنیا کی نجات کا باعث ہے۔ سب کا بھلا ہو ÷

اوم۔ شانتی۔ شانتی۔ شانتی

حصہ اول ختم ہوا

غلط نامہ

ہدایت۔ کتاب پڑھنے سے پہلے ذیل کی غلطیاں درست کر لیں۔

صفحہ وسطر	غلط	درست
صفحہ ۱ سطر ۱۰	سوتیا شور اُپنشدہ	شوتیا شور اوپنشد .. ..
〃 ۹ 〃 ۸	ہر ایک	ہر اک .. ..
〃 ۹ 〃 ۸	پیچھے	پہیے .. ..
〃 ۱۴ 〃 ۲۰	قدرت	قدرت .. ..
〃 ۲۵ 〃 ۱۷	پیچ	پر .. ..
〃 ۳۵ 〃 ۱۷	vioibe	visible .. ..
〃 ۳۵ 〃 ۱۷	bot	but .. ..
〃 ۳۵ 〃 ۲۰	lent	but .. ..
〃 ۳۵ 〃	apring	Springs .. .. ..
〃 ۳۹ 〃 ۱۲	کھولتا	کھولنا .. ..
〃 ۴۱ 〃 ۱۲	جوٹھہ	جھوٹ .. ..
〃 ۴۳ 〃 ۱۵	جوٹ	جھوٹ .. ..
〃 ۴۳ 〃 ۹	جوٹ	جھوٹ .. ..
〃 ۵۱ 〃 ۱۶	centpetal	centripetal ......
〃 ۵۶ 〃 ۸	مباخ	مباح .. ..
〃 ۵۹ 〃 ۳		
〃 ۶۶ 〃 ۱۸	جوٹ	جھوٹ .. ..
〃 ۷۶ 〃 ۲۰	خانگی	خانگی .. ..
〃 ۷۸ 〃 ۱۵		
〃 ۸۳ 〃 ۵	غایت	غائب .. ..
〃 ۸۴ 〃 ۱۳	جائداد	جاندار .. ..
〃 ۹۱ 〃 ۱۶	ہم دردی	ہمدردی .. ..
〃 ۹۶ 〃 ۲۰	ہنسلے	ہکسلے .. ..
〃 ۹۶ 〃 ۲۱	Etbic	Ethics .. .. ..
〃 ۱۰۸ 〃 ۱۰-۱۱-۱۲		ہے۔ آتا
〃 ۱۱۳ 〃 ۱۷	کم ظرفی	کم ظرفی .. ..
〃 ۱۲۰ 〃 ۲۰	کاٹے	کمائے .. ..
〃 ۱۲۹ 〃	.. ..	.. ..

ہندو تہذیب

اس نادر کتاب کو ڈائرکٹر صاحب بہادر محکمہ تعلیم پنجاب نے منظور فرمایا ہے اور سررشتہ تعلیم کے سرکلر نمبر ۱۷ مورخہ ۱۱ جون ۱۹۱۰ء میں اس کی خاص سفارش فرمائی ہے کہ یہ کتاب تمام سکولوں کے کتب خانوں میں خرید کر رکھی جاوے اور صیغہ تعلیم کے انعامات میں طلباء سکول کو ورنیکلر اور اینگلو ورنیکلر مدارس میں انعام دی جاوے - یہ سرکلر پنجاب کے تمام گورنمنٹ سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں - انسپکٹران مدارس - ڈپٹی کمشنران پنجاب - منیجران پرادیٹ مدارس کے نام پر جاری ہو چکا ہے +

انگریزی اخبارات کے ریویو

تھیوسافی ان انڈیا - ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء

October 1909.

Theosophy in india - انڈین تھیوسافیکل سوسائٹی کا مشہور و معروف آرگن تھیوسافی ان انڈیا ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء کے پرچہ میں ذیل کی عبارت میں اس کتاب کا ریویو کرتا ہے

"پنڈت لشنداس بی - اے - فیلو تھیوسافیکل سوسائٹی نے ہندو تہذیب کا حصہ اول شائع کیا ہے یہ اردو زبان میں ایک قیمتی قابل قدر اضافہ ہے - تمام کتاب روحانی اور اخلاقی خیالات سے لبالب ہے - اس میں اخلاق کی نہایت وسیع بنیاد پر مشرقی اور مغربی تہذیب کا مقابلہ کیا گیا ہے اولاد اور والدین کی فصل واقعی نہایت دلچسپ ہے - عورتوں کی حیثیت - تربیت - سلوک اور قدر کی نسبت جو کچھ مصنف نے لکھا ہے - درحقیقت قابل داد ہے - عورت اور مرد کے جداگانہ فرائض پر مفصل بحث کی گئی ہے - اور ہند شادی کا معراج اپنے ہر ایک پہلو میں بہت خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے - مگر سب سے بڑھکر قدیمی رشیوں کے قوانین اخلاق مذہبی عظمت - سوشیل ترقی کا معہ ان صفات ایثار نفسی اور خود ضبطی کے جو قدیمی ہندو گرہست کی عظمت کا باعث تھیں - بہت ہی قابل داد الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے - جبکہ اس کے مقابلہ میں موجودہ مادہ پرستی - اور اس کے خوفناک نتائج کو خوب افشا کیا گیا ہے - مصنف واقعی سچ کہتا ہے کہ بھارت کی

درُدشا اور علمی تنزل اہل ہنود کی اپنی غفلت اور خود غرضی کا نتیجہ ہے - آخری فصل
مصنّف نے بھارت کی قدیمی استریوں کی گراں بہا جان نثاری کی خوب داد
ہے - اور خاص مشہور عورتوں کے حالات کے ذکر سے بھارت کی
پر خوب روشنی ڈالی ہے - سب کچھ درحقیقت دلچسپ اور مفید ہے" ترجمہ کیا گیا
مورخہ ۹ جون ۱۹۰۹ء Bengalee Biweekly Edition.

بنگال کا نہایت مشہور و معروف انگریزی اخبار لکھتا ہے

ہند و تہذیب پنڈت لبشنداس بی۔اے کی لایق تصنیف ہے - یہ ہندوازم پر ایک
یادگار کتاب کی جلد اول ہے - مصنف نے تمام اقوام کی متبرک کتابوں اور ہر ایک
کے اہل خیال لیڈروں کی تصانیف کا خوب مطالعہ کیا ہے - تنگ خیالی -
تعصّب کے تمام نشانات اس کتاب سے غایب ہیں - اس میں ذرا بھی
نہیں ہے کہ تمام مذاہب کے معتقد اس کتاب سے نئی روشنی اور
حاصل کریں گے"

پنجابی ۲۹ مئی ۱۹۰۹ء Panjabee.

پنجاب کا مشہور انگریزی اخبار لکھتا ہے

"ہندو تہذیب ایک قابل یادگار کتاب کی جلد اول ہے - اس کا مضمون زندگی اور
... کے قدیمی سوالات ہیں - مصنف نے تمام اقوام کی متبرک کتابوں کا غور سے مطالعہ کیا
- اور ہر ایک ملک کے عالموں کی تصانیف سے خوب واقفیت پیدا کی ہے -
جلد اول جو ابھی شایع ہوئی ہے - مذہبی تعصب اور عناد سے بالکل مبرا ہے - اسکے
مطالعہ سے اہل ہنود اور دیگر مذاہب کے لوگ یکساں مستفید ہو سکتے ہیں"

اُردو اخبارات کے ریویو - جھنگ سیال ۲۹ مئی ۱۹۰۹ء

ہندو تہذیب - یہ ایک کتاب کا نام ہے - جو ماسٹر بشنداس صاحب بی
کی دماغ سوزی اور کوشش کا نتیجہ ہے - اسمیں پرانی ہندو تہذیب کو اعلےٰ اور معراج
ثابت کرنیکی اچھی اچھی دلیلیں دی گئی ہیں اور کسی ایک معاملہ پر نہیں بلکہ زندگی کے ہر ایک پہ
لکھی گئی ہے - کتاب میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا معراج تہذیب کے عنوان سے اس اخبا
ہے جسکو پڑھکر ناظرین کتاب کے مقصد اور مدعا سے اچھی طرح واقف ہو سکتے ہیں - ابھی
پہلا ہی حصہ ہے جس وقت باقی حصے طیار ہو گئے یہ کتاب ہندو قوم کے لئے بیش بہا

آریہ گزٹ ۱۰ جون ۱۹۰۹ء

ہندو تہذیب - اس میں قانون کرم - قانو
سائنس اور مذہبی دنیا - قانون زندگی او
دیگر مفید مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے - خیالات شستہ اور پاکیزہ ہیں اسکے
اسمیں والدین اور اولاد کے فرائض کو بڑی خوبی سے بتلایا گیا ہے - اور عورتوں کی اُدھتا
ایک اعلےٰ پیرایہ میں پرگٹ کیا گیا ہے - ہم پاٹھکوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ ضر
مطالعہ کریں - اور اپنی لائبریری میں رکھیں یہ ۸ قیمت پر ملسکتی ہے لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ہے تقد

اخبار عام یکم جولائی ۱۹۰۹ء

پنڈت بشنداس بی اے نے جس خوبی اور خوش اسلوبی سے اس کتا
قلمبند کیا ہے اہل ہند کو چاہیئے کہ انکو اسکی داد دیں - بڑے بڑے دقیق
مضامین مثلاً قانون کرم - قانون موت - سائنس اور مذہبی دنیا - قانون زندگی پر نہایت بلند حوصلگی سے قلم اٹھایا گ

رسالہ رام کرشن اپریل ۱۹۰۹ء

ہندو تہذیب اپنی خوبیوں کے لحاظ سے اعلےٰ پایہ کی کتاب -
لائق مصنف نے ہندو تہذیب کے ہر ایک پہلو اور اسکے معراج کو بہت خو
دکھلایا ہے ضرور منگوا کر ملاحظہ کیجئے - اس نادر کتاب کی قیمت ایک روپیہ ۱۲ کر دی گئی ہے - ذیل کے پتہ سے طلب

ینیجر آرین پرنٹنگ پبلشنگ اینڈ جنرل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ انار کلی